از

علامہ محمد اقبالؒ

شکوہ جوابِ شکوہ

[redacted] فرہنگ اور آسان شرح کے ساتھ

مؤلف:

محمد شریف بقا

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شکوہ، جوابِ شکوہ

شکوہ، جوابِ شکوہ

از

علامہ محمد اقبال

ترجمہ، فرہنگ اور آسان شرح کے ساتھ

مولف

محمد شریف بقا

علم و عرفان پبلشرز

34- اردو بازار لاہور فون:7352332

جملہ حقوق برائے مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب	....	شکوہ، جواب شکوہ
مؤلف	....	محمد شریف بقا
ناشر	....	گل فراز احمد
		علم و عرفان پبلشرز' لاہور
مطبع	....	جوہر رحمانیہ پرنٹرز' لاہور
سرورق	....	**فراز گرافکس**
کمپوزنگ	....	محمد حفیظ/ رفاقت علی
سن اشاعت	....	اپریل2009ء
قیمت	....	-/200روپے

ملنے کے پتے

علم و عرفان پبلشرز

34- اُردو بازار' لاہور فون: 7352332

کتاب گھر	اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک' راولپنڈی فون: 5552929	کمیٹی چوک' راولپنڈی فون: 5531610

Marfat.com

انتساب

محمد سہیل عمر

کے نام

Marfat.com

دیباچہ

علامہ اقبالؒ کی دو طویل اُردو نظمیں...... ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' اُن کی عظمتِ فکر، شدتِ احساس، یادِ ماضی اور قومی جذبات کی ترجمان ہیں۔ شاید ہی کوئی لکھا پڑھا اردو دان ایسا ہوگا جو برصغیر پاک و ہند کے اس عظیم المرتبت شاعر، بلند پایہ فلسفی اور نباضِ ملت اسلامیہ کی ان دو نظموں سے واقف نہ ہو۔ بہت سے لوگوں کی زبان پر ان نظموں کے اشعار رواں رہتے ہیں۔ ہمارے متعدد علمائے کرام، سیاستدان اور دانشور حسب ضرورت ان کے اشعار کا حوالہ دینے کے شائق ہوتے ہیں۔ اس عام مقبولیت کے باوجود اکثر عامۃ الناس ان نظموں کے اشعار کا بخوبی مطلب سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے حتیٰ المقدور کوشش کی ہے کہ علامہ اقبالؒ مرحوم و مغفور کی ان دو نظموں کے مفہوم کو آسان زبان میں بیان کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ قارئین کرام ان کی خوبیوں، گرمیٔ کلام اور دلنشیں افکار و احساسات سے آگاہ ہوسکیں۔ مدت سے میرا یہ نظریہ ہے کہ اس حکیم الامت کے عام کلام خصوصاً اس کی طویل اردو نظموں کو آسان پیرائے میں بیان کیے بغیر ہم افکارِ اقبالؒ کی کماحقہٗ اشاعت نہیں کرسکتے۔ جب تک ہماری نئی نسل کلامِ اقبالؒ کے ذریعے اسلام اور قرآن کے حقائق و اسرار اور ملتِ اسلامیہ کے شاندار ماضی سے بخوبی آگاہ نہیں ہوگی وہ صحیح معنوں میں نمایاں [illegible] کارنامے انجام نہیں دے سکے گی۔ علامہ نے خود اس بات کی آرزو کی تھی کہ

ان کے کلام سے مسلمان نوجوانوں کو متعارف کرایا جائے تاکہ وہ ملک وقوم کے علاوہ اسلام اور انسانیت کی بھی خدمت کرسکیں۔ وہ اپنی اس دیرینہ اور حسین آرزو کی طرف واضح اشارہ کراتے ہوئے یہ دعا کرتے ہیں:

جوانوں کو مری آہِ سحر دے پھر اِن شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے مرا نورِ بصیرت عام کر دے

امید واثق ہے کہ ہمارے اقبال سکالرز کلامِ اقبالؒ کی عام اور آسان تفہیم کا قومی اور اسلامی فریضہ سرانجام دینے کی طرف متوجہ ہوسکیں گے۔

☆

علم وعرفان پبلشرز کے جوان ہمت مالک گلفراز احمد صاحب کی خصوصی توجہ سے اب یہ دونوں عظیم نظمیں یہاں کتابی صورت میں پیش کی جارہی ہیں۔ آج سے تقریباً ۱۳ سال پیشتر وہ لندن میں اشاعت پذیر ہوئی تھیں۔ اشعار کے آسان مطلب اور شرح پر مبنی یہ ایڈیشن اگر مقبولِ عوام ہوگیا تو میری محنت بارآور ہو جائے گی۔

؎ گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد شریف بقا

جولائی ۲۰۰۴ء (لندن)

Marfat.com

حرفِ اوّل

حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری مقصدی اور اصلاحی شاعری کی معراج ہے ۔

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

میں نے تو علامہ کی 'نغمہ کجا و من کجا' کی ترکیب محض کسرِ نفسی کے طور پر استعمال کی ہے ورنہ بلاشبہ وہ ہماری قومی اور ملی شاعری کے امام ہیں۔ اپنی شاعری کے ذریعہ علامہ نے احیائے اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی کو اسلام کے روشن اور تابناک مستقبل سے ہم کنار کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس میں 'شکوہ اور جوابِ شکوہ' بطور پیش خیمہ ہے۔ یہ دونوں نظمیں منفرد اسلوبِ بیان اور ڈرامائی عناصر کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ طویل نظمیں ہیں جو ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔ اردو شاعری میں ایک نئی آواز ایک فکری شاعری میں ایک نیا آہنگ۔

مولانا حالی کے 'شکوہ ہند' کا چرچا تھا۔ اس میں مولانا حالی نے نہایت درد انگیز اشعار میں مسلمانوں کے شاندار ماضی کی تصویر کشی کی ہے۔ ان کی اس نظم میں مایوسی، افسردگی اور قنوطیت چھائی ہوئی ہے۔ کیونکہ مولانا اس پستی کے مسلمانوں کی بلندی کا خیال ترک کر چکے تھے۔ اپنی ایک رباعی میں جس کا عنوان ہے ..... 'تنزلِ اسلام' مسلمانوں کی حالت پر کہہ دیا تھا کہ اب مسلمانوں کے ابھرنے کا امکان کم ہی

Marfat.com

نظر آتا ہے۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے!
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنی قوم کی بے عملی، قنوطیت، کاہلی، افسردگی اور تن بہ تقدیر بیٹھے رہنے کے فعل کو عمل پیہم سے بدل دینا چاہتے تھے۔ وہ ایک نفسیاتی عمل کے طور پر پوری رجائیت کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی جناب میں شکوہ سنج ہوئے۔ اس زوال کا سبب علامہ کے نزدیک مسلمانوں کی بے زری نہیں تھا۔ بلکہ اخلاقی اور روحانی اقدار کا فقدان تھا۔ علامہ اقبال مسلمانوں کی اس مایوسی کو دُور کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک مایوسی کفر کے مترادف تھی ۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
اُمید مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

غرضیکہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی درماندہ قوم میں زندگی کی نئی حرارت پیدا کرنے کے لیے جو راستہ تیار کیا تھا اور اپنے ذہن میں جو لائحہ عمل بنایا تھا اس کے واضح خدوخال ان دو حشر بداماں نظموں میں ملتے ہیں۔ وہ مسلمانوں میں حق گوئی و بے باکی کے ساتھ خودداری، یقینِ محکم، عمل پیہم، استغنا اور سب سے بڑھ کر قومی حمیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اپنی پوری قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے وہ خداوند کریم سے یوں شکوہ سنج ہوئے ۔

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسلاف کے کارناموں اور مسلمانوں کے عروج و زوال کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں کہ اردو شاعری میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کا اندازِ بیاں محرمانہ اور جرأت رندانہ ہے صمیم قلب سے نکلی ہوئی فریاد اپنا اثر

Marfat.com

دکھاتی ہے ۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اس دلدوز اور فلک شگاف نالے کا جواب یقینی تھا ۔

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اٹھتے ہیں حجاب آخر

رب جل شانہٗ فرماتے ہیں ۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے، رہروِ منزل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

اور وہ مسلمانوں کے ایمان و ایقان کی کمزوری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

اور ساتھ ہی وہ اُمید کی جھلک بھی پیدا کرتے ہیں ۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

شکوہ اور جواب شکوہ علامہ اقبالؒ کے اس دور کی تخلیق ہیں جب [illegible] کے بعد ان کے لاشعور میں ایک ہیجان پرور انقلاب پیدا ہو رہا

Marfat.com

تھا۔ وہ مغربی استعماریت اور مشرق کی بے روح زندگی دیکھ کر بالخصوص مسلمانوں کی زبوں حالی کے المناک پہلو پر غور کرتے ہیں تو انہیں محسوس ہوتا ہے کہ ؂

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانۂ مضراب
بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
تقدیر کو روتا ہے مسلمان تہِ محراب

اگر ذرا غور کیجئے تو بات صاف ہو جائے گی کہ علامہ نے اِن دونوں نظموں میں مسلمانوں کے مرضِ کہنہ کا چارہ یہ بتایا ہے ؂

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

(خضر راہ)

اور 'جوابِ شکوہ' کا یہ آخری شعر کہ جسے تلقین خداوندی کہیے ؂

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

اِن دونوں نظموں میں علم و حکمت کے گہر آبدار اور غنائی شاعری کے تمام لوازمات یکجا ہو کر ایک عجیب کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ ان میں تجلیاتِ کلیم بھی ہیں اور مشاہداتِ حکیم بھی۔ اس وقت 'شکوہ اور جوابِ شکوہ' پر تبصرہ مقصود نہیں بلکہ اس حقیقت کی طرف اشارہ مطلوب ہے کہ جس وقت 'شکوہ' انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے میں پڑھی گئی اور 'جوابِ شکوہ' کچھ عرصے کے بعد بلقان فنڈ کے لیے پڑھی گئی تو دھوم مچ گئی۔ ان دونوں نظموں کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ ان دونوں نظموں کو جو شہرتِ دوام حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

جناب محمد شریف بقا ایک عرصے سے دیارِ مغرب میں حکیم الامت اور دانائے راز کے فکر و فن اور ان کے ارشاداتِ عالیہ کو عام کرنے میں کوشاں ہیں اور مجلس اقبالؒ (لندن) کے ذریعے اقبال شناسی کو فروغ دینے میں مجاہدانہ کوشش کر

Marfat.com

رہے ہیں۔ اس سے پہلے وہ اپنی کتاب ''خطباتِ اقبال پر ایک نظر'' یعنی Reconstruction of Religious Thought in Islam کی تلخیص و تشریح نہایت عالمانہ انداز میں پیش کر کے قارئین سے داد پا چکے ہیں۔ میں ان کی اقبال دوستی اور بے لوث خدمت کی قدر کرتا ہوں۔

'شکوہ اور جوابِ شکوہ' کے مشکل الفاظ کے معانی اور اشعار کی تشریحات کو نئے طریق سے پیش کر کے انہوں نے اقبال فہمی کے ضمن میں ایک قابل قدر کام سرانجام دیا ہے۔ ان کی اقبالیات سے گہری دلچسپی اسلامی روایات سے شغف کی آئینہ دار ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ انہیں مزید علمی خدمات کا موقع اور حوصلہ عطا فرمائے۔

ڈاکٹر محمد معز الدین کیمبرج
سابق اقبال فیلو کیمبرج یونیورسٹی

'شکوہ' کے اہم مباحث کا خلاصہ

''شکوہ'' میں علامہ اقبالؒ نے مندرجہ ذیل اہم باتوں کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں بیان کیا ہے۔ شاعر چونکہ حساس طبیعت اور درد آشنا دل کا مالک ہے۔ اس لیے وہ اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کی شکایات خدا کے حضور تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ مسلمانوں کا ترجمان ہونے کی حیثیت سے خدا تعالیٰ کے ساتھ مخاطب ہونے کی جسارت کرتا ہے۔ اقبالؒ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ حقیقت شناس ہونے کے باوجود موجودہ دور کے بے عمل، اسلام سے دور اور 'پدرم سلطان بود' کا محض نعرہ لگانے والے مسلمانوں کے غلط دعاوی اور بے بنیاد تقاضوں کو اپنی نظم کی اساس بنائے۔ انہوں نے اپنی زبان سے مسلمانوں کی جن بے بنیاد شکایات اور غلط فہمیوں کو بیان کیا ہے۔ وہ زیادہ تر یہ ہیں:

۱- اے خدا! ہم تیری فرماں برداری کے لیے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ ہم مسلمانوں نے دنیا میں تیرے دین کی اشاعت اور توحید کے فروغ کے لیے بہت کام کیا تھا۔

۲- دنیا کی کسی اور قوم کو یہ سعادت حاصل نہ ہوسکی کہ وہ تیرے نام کو بلند کرنے کے لیے جان کی بازی لگائے۔ ہم نے بے مثال بہادری کا

Marfat.com

مظاہرہ کرتے ہوئے ایران، افریقہ، یورپ اور ہندوستان میں جہاد فی سبیل اللہ کے کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔

۳۔ ہم نے تو میدانِ کارزار میں بھی نماز ادا کر کے اسلامی مساوات اور عالمگیر اُخوت کا ثبوت دیا ہے۔

۴۔ ہم نے خود بھی اسلامی تعلیمات پر عمل کیا اور دوسرے انسانوں کو بھی تیرے کلمہ کے مطابق ہر قسم کی غلامی سے نجات دلا کر انسانیت کے صحیح راستے پر چلنے کا موقع فراہم کیا۔ تجھ کو ہم سے پھر بھی یہ گلہ ہے کہ ہم تیرے وفادار نہیں۔

۵۔ اے خدا! ہم کو بھی شکایت ہے کہ تو نے غیروں پر اپنی رحمتوں کی بارش کر رکھی ہے حالانکہ ان میں ہماری طرح گنہگار، مغرور، لاپرواہ، سست بلکہ تیرے نام تک سے بیزار لوگ پائے جاتے ہیں اور اب حال یہ ہے کہ یہ لوگ ہم پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔

۶۔ اے پروردگار! یہ کیا وجہ ہے کہ غیر مسلموں کو تو دنیا ہی میں سب نعمتیں حاصل ہیں مگر ہم مسلمانوں کو صرف حور و قصور کے وعدے پر ٹرخا دیا گیا ہے۔ دوسری قومیں دنیا میں کامیاب بھی ہیں اور مال دار بھی ہیں مگر ہم مسلمان غلامی اور غربت کا شکار ہیں۔ آخر مسلمانوں سے یہ ناراضگی کیوں؟

۷۔ ہم آج بھی حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام اور رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے والہانہ عشق رکھتے ہیں۔ پھر ہم پر یہ غضب کیوں؟

۸۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم ہے کہ ہم قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی طرح اسلام پر عمل نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود ہم مسلمان تو ہیں۔ تیرے محبوب ﷺ کی اُمت میں تو ہمارا شمار ہے اور ہم تیرا نام لینے

Marfat.com

والے تو ہیں۔

اس نظم کے آخر میں شاعر یہ کہتا ہے کہ وہ اکیلا ہی مسلمانوں کے زوال پر گریہ و زاری کر رہا ہے۔ کاش کوئی اس کی فریاد کو سمجھ لے۔ اگرچہ شاعر مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی سے بہت دلگیر ہے۔ تاہم وہ اُمید کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ اِسے قوی اُمید ہے کہ ''اس بلبلِ تنہا'' کی پر اثر فغاں سے مسلمانوں کے مردہ دلوں میں دوبارہ زندگی کے آثار پیدا ہو جائیں گے۔ وہ خدا سے یہ دُعا کرتا ہے۔

مشکلیں اُمت مرحوم کی آساں کر دے
مورِ بے مایہ کو ہم دوشِ سلیماں کر دے

علامہ اقبال کی اس نظم میں ۳۱ بند شامل ہیں۔

Marfat.com

'شکوہ' کا تاریخی پس منظر

مفکرِ اسلام، شاعرِ مشرق، علامہ اقبالؒ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر یورپ آئے اور تین سال کی شبانہ روز محنت، یک سوئی اور اپنے تعلیمی مقصد کی لگن کی بدولت انہوں نے نہ صرف اس قلیل مدت میں میونخ یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری لی بلکہ انہوں نے برطانیہ میں قانون کا امتحان بھی پاس کیا۔ اپنے اس تعلیمی مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد وہ ۱۹۰۸ء میں متحدہ ہندوستان واپس چلے گئے۔ علامہ اقبال نے اپنے قیامِ یورپ کے دوران یورپ کی سائنسی، مادی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی ترقی اور اس کی تہذیبی قدروں کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ اہلِ یورپ کی علمی لگن، سائنسی ترقی، آزاد پسندی، جذبۂ عمل اور حب الوطنی سے متاثر ہوئے۔ جب وہ اپنے ملک کو واپس گئے تو انہیں وہاں اس کے برعکس مسلمانوں کی کاہلی، جمود، بے عملی، غلامانہ ذہنیت، اقتصادی پسماندگی، علمی ذوق و شوق کا فقدان، اسلام سے بجز زبانی عقیدت کے باوجود خدا کی محبوب قوم ہونے کا غلط احساس عام دکھائی دیا۔ مسلمان اعتقادی طور پر تو اپنے آپ کو اسلام کا شیدا تصور کرتے تھے لیکن عملی طور پر وہ قرآن کی تعلیمات، اسوۂ رسول ﷺ اور اسلام سے کوسوں دور تھے۔ اس کے باوجود وہ خدا سے دنیا اور دین کی برکات چھن جانے کا شکوہ بھی کرتے تھے۔ یہی بات اقبال کی نظم "شکوہ" کا بنیادی تصور ہے۔

نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے دیگر ممالک کے مسلمان بھی سیاسی،

Marfat.com

اقتصادی اور ذہنی غلامی کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ ایران، ترکی، مصر اور افریقہ میں بھی ان کی حالت چنداں بہتر نہیں تھی۔ علاوہ ازیں طرابلس اور بلقان کی جنگوں نے بھی مسلمانوں کے احساسِ زوال کو مزید شدید بنا دیا۔ مسلمانانِ عالم خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کی زبوں حالی اور محکومی نے اقبال کی ان دو مشہور اور انقلابی نظموں کو جنم دیا۔ حکیم الامت اور مفکر اسلام ہونے کی حیثیت سے انہوں نے موجودہ مسلمانوں کے اسبابِ زوال اور عہد قدیم کے مسلمانوں کے عروج کو بڑی تفصیل کے ساتھ ان دو نظموں میں بیان کیا ہے۔ انہیں پڑھ کر ایک طرف تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے شاندار ماضی کا نقشہ نظر آنے لگتا ہے اور دوسری طرف ہمیں اپنے موجودہ زوال کے اسباب کا سراغ ملتا ہے۔ علامہ مرحومؒ کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا کہ ہم اپنے شاندار ماضی اور عظیم تاریخی روایات اور حقائق کی روشنی میں اپنے مستقبل کو درخشاں بنا سکیں۔

Marfat.com

اکابرین کی آراء

۱- ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک علامہ اقبال یورپ میں رہے...... 'شکوہ' اور 'شمع و شاعر' یورپ سے واپسی کے بعد تحریر کی گئیں۔ علامہ اقبال مسلمانوں کے طرزِ عمل پر نالاں تھے۔ انہیں مسلمانانِ ہند کی بے حسی خون کے آنسو رُلاتی تھی۔ وہ حسرت سے اسلام کے عظیم الشان ماضی کی طرف دیکھتے پھر جب حال کا جائزہ لیتے تو بے بسی کے عالم میں سپر ڈال دیتے مگر علامہ کے قلب کی آواز ناامیدی اور مایوسی کے باوجود انہیں کشاں کشاں تاریکی سے روشنی کی طرف کھینچ رہی تھی۔ ان دنوں بلقان سے مسلمان نکالے جاچکے تھے۔ ایران موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ طرابلس کے میدان مجاہدین کے خون سے لالہ زار تھے۔ علامہ نے اس دور میں جو بھی نظمیں تحریر کیں ان کے اثر سے ہندی مسلمانوں میں جوش و خروش کمال تک پہنچ گیا۔ اس زمانے میں طرابلس کے شہیدوں کا لہو، تحریر کی گئی۔ 'جوابِ شکوہ' پھر انجمن بلقان کی امداد کے لیے چندہ فراہم کرنے کی خاطر لکھی گئی۔" (جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، مئے لالہ فام، ص ۱۴-۱۵)

۲- انجمن کا ایک اجلاس جس میں علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم "شکوہ" اپنے [illegible] الفاظ میں پڑھی۔ بہت سے لوگوں کو یاد ہوگا جب کیفِ غم کا سماں [illegible] ہوگیا تھا۔ آپ کے بہت سے مداح پھولوں سے جھولیاں بھر کر

Marfat.com

لائے تھے اور جب وہ پڑھ رہے تھے تو اُن پر پھول برسا رہے تھے۔ اس موقع کی ایک اور بات خاص طور پر قابلِ دید تھی۔ اقبال کا معمر باپ اس نظم کے سننے والوں میں موجود تھا۔ باپ کی آنکھوں میں بیٹے کی کامیابی دیکھ کر خوشی کے آنسو تھے مگر لبوں پر تاثیرِ کلام سے وہی علاماتِ غم تھیں جو بیٹے کے چہرے پر تھیں۔ درحقیقت یہ خصوصیت بیٹے نے باپ سے ورثے میں پائی تھی۔'' (شیخ عبدالقادر مرحوم، سیرتِ اقبال ص ۱۸۴)

۳۔ ''جوابِ شکوہ'' انجمن کے سالانہ جلسہ میں نہیں پڑھا گیا تھا۔ جنگ بلقان کے متعلق موچی دروازہ کے ایک جلسہ میں سنایا گیا۔ اس جلسہ کا انتظام مولانا ظفر علی خاں صاحب نے کیا تھا۔''

(شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی، سیرتِ اقبال ص ۱۴۹)

۴۔ ''علامہ اقبال نے یہ نظم انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں سنائی تھی جو اپریل ۱۹۰۹ء میں منعقد ہوا تھا...... 'شکوہ' اپنی نوعیت کے لحاظ سے اُردو اَدب میں ایک انوکھی چیز ہے۔ ندرتِ تخیل کے علاوہ اس میں حقیقت نگاری اور شاعرانہ مصوری کی شان بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس نظم میں اقبال نے لفظوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کی تاریخ کی تصویر کھینچی ہے اور تخیل کے موقلم سے اس میں ایسی رنگ آمیزی کی ہے کہ حقیقت مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ شکوہ کی زبان اس قدر دل کش ہے اور اشعار کی سلاست اور روانی کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے والے پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح بانگِ درا ص ۳۰۶)

۵۔ اس نظم میں اقبال کا لہجہ ویسا نہیں جیسا دوسری پیغامی اور حکیمانہ نظموں میں ہے لیکن لہجے کی جس بے تکلفی کو ہدفِ ملامت بنایا جاتا ہے۔ اتفاق سے وہی اس نظم کی سب سے بڑی اور سب سے اہم خصوصیت ہے اور اِسی خصوصیت نے نظم میں بعض ایسی خوبیاں پیدا کی ہیں جو اقبال کی

صرف اِسی نظم میں ہیں اور ایک اندازِ خاص میں اس نظم کے سوا اور کہیں نہیں ملتیں۔ اقبال نے 'شکوہ' ۱۹۰۹ء میں لکھا...... یہ لہجہ اقبال کے عام حکیمانہ لہجہ سے مختلف ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ جس ذہنی اور جذباتی پس منظر میں یہ نظم لکھی گئی ہے اس کے عین مطابق ہے اور سچ پوچھیے تو یہ اندازِ تخاطب لطف سے خالی نہیں اس لیے کہ اسی کی بدولت نظم میں بلا کی روانی بھی پیدا ہوئی ہے اور کہیں کہیں ایسی شوخی بھی جو پڑھنے والے کو مسرور کرتی ہے۔"

(پروفیسر سید وقار عظیم، سیارہ اقبال نمبر مطبوعہ ۱۹۶۲ء ص ۸۸-۸۹)

۶- "نظم 'شکوہ' اپریل ۱۹۱۱ء کے اجلاس انجمن حمایت اسلام لاہور میں، جو ریواز ہوسٹل اسلامیہ کالج کے صحن میں منعقد ہوا تھا، پڑھ کر سنائی گئی...... یہ بیک وقت عظمت رفتہ کی تاریخ بھی ہے اور زبوں حالی کا شکوہ بھی اور بہترین دعوتِ عمل بھی...... اقبال کو خود ہی دوسری نظم 'جوابِ شکوہ' لکھنی پڑی جو ۱۹۱۳ء کے ایک جلسۂ عام میں پڑھ کر سنائی گئی۔ یہ جلسہ بیرون موچی دروازہ میں بعد نماز مغرب منعقد ہوا تھا۔ اب کے نظم چھپی ہوئی تھی اور سینکڑوں کی تعداد میں جلسہ گاہ ہی میں بک گئی۔ اس کی آمدنی کی پوری رقم بلقان فنڈ میں دی گئی۔

(محمد عبداللہ قریشی، ایڈیٹر ادبی دنیا 'شکوہ جوابِ شکوہ' ص ۵، ۷، ۸)

۷- "شکوہ اسی ذہنیت کا آئینہ دار ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں اور دوسری امتوں میں پائی جاتی تھی کہ ہم خدا کی منتخب قوم ہیں لہٰذا دوسروں کے مقابلے میں کسی حالت میں ذلیل اور بے بس نہیں ہونا چاہیے۔ اعمال کا کوئی سوال نہیں، ہمارے عقائد تو برقرار ہیں..... اقبال کا شکوہ اس کے اپنے قلب کی گہرائیوں میں سے نکلتی ہوئی آواز نہیں ہے۔ اس شکایت [illegible] ہیں فقط عامۃ المسلمین کی غیر شعوری کیفیت کو بیان کیا [illegible] مسلمان یوں محسوس کرتے، یوں کہتے اور یوں سمجھتے ہیں۔ اس

Marfat.com

شکوے میں مسلمانوں نے اپنے اعمال کی کوتاہی کو نظر انداز کیا ہے یا اسے بہت مدہم انداز میں بیان کیا ہے...... 'شکوہ' میں اخلاق و ایثار و جہاد فی سبیل اللہ کے جتنے دعوے ہیں وہ اسلاف کے متعلق تو درست ہیں لیکن اخلاف کے متعلق سربسر بے بنیاد ہیں۔ ایسے دعوے اقبال کی طرف سے تو پیش نہیں ہوسکتے تھے۔ یہ سب کوتاہ اندیش اور خود شناسی سے محروم مسلمانوں کے بے بنیاد دعوے ہیں...... مسلمانوں کے اعمال اور ان کی سیرت کا صحیح نقشہ وہی ہے جو ''جوابِ شکوہ'' میں خدا کی زبان سے بیان ہوا ہے۔ خدا نے مسلمانوں کے ایک ایک دعویٰ باطل کو توڑا ہے اور شکایت بے جا کا جواب دیا ہے۔''

(ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم، فکرِ اقبال ص ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳)

Marfat.com

نظم کا مختصر تعارف

☆...... ''نظم 'شکوہ' اپریل ۱۹۱۱ء کے اجلاس انجمن حمایت اسلام لاہور میں، جو ریواز ہوسٹل اسلامیہ کالج کے صحن میں منعقد ہوا تھا، پڑھ کر سنائی گئی...... یہ بیک وقت عظمت رفتہ کی تاریخ بھی ہے اور زبوں حالی کا شکوہ بھی اور بہترین دعوت عمل بھی...... اقبال کو خود ہی دوسری نظم 'جواب شکوہ' لکھنی پڑی جو ۱۹۱۳ء کے ایک جلسۂ عام میں پڑھ کر سنائی گئی۔ یہ جلسہ بیرون موچی دروازہ میں بعد نماز مغرب منعقد ہوا تھا۔ اب کے نظم چھپی ہوئی تھی باوز سینکڑوں کی تعداد میں جلسہ گاہ میں بک گئی۔ اس کی آمدنی کی پوری رقم بلقان فنڈ میں دی گئی۔

(محمد عبداللہ قریشی، ایڈیٹر ادبی دنیا، 'شکوہ جواب شکوہ' ص ۵،۷،۸)

☆...... ''جواب شکوہ'' انجمن کے سالانہ جلسہ میں نہیں پڑھا گیا تھا۔ جنگ بلقان کے متعلق موچی دروازہ کے ایک جلسہ میں سنایا گیا۔ اس جلسہ کا انتظام مولانا ظفر علی خان صاحب نے کیا تھا۔''

(شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی۔ سیرت اقبال ص ۱۴۹)

Marfat.com

جوابِ شکوہ کے بنیادی مباحث

''جوابِ شکوہ'' میں شاعرِ اسلام اور نباضِ فطرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خدا کی طرف سے مسلمانوں کی شکایات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان پر ان کی خوش فہمیوں کی تلخ حقیقت کو واضح کیا ہے۔ خدا کی طرف سے دیا جانے والا یہ جواب دراصل علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اپنے حقیقی نظریات کا پرچار ہے۔ ''شکوہ'' میں بیان کردہ بیجا شکایات اور بے بنیاد دعوے حقیقت میں موجودہ دور کے مسلمانوں کے اندازِ فکر کے ترجمان ہیں لیکن ''جوابِ شکوہ'' میں پیش کردہ جوابات اور دلائل اقبالؒ کے اپنے تصورات کی صدائے بازگشت ہیں۔ ''جوابِ شکوہ'' میں انہوں نے مسلمانوں کو ان کے سیاسی، اخلاقی، معاشرتی، ثقافتی اور مذہبی زوال کی وجوہات سے آگاہ کیا ہے تاکہ وہ انہیں دور کریں اور دوبارہ عظمت رفتہ کے مالک بن سکیں۔ علامہ اقبالؒ نے ''جوابِ شکوہ'' میں جن اہم باتوں کو بیان کیا ہے وہ یہ ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱۔ ہم تو حسبِ معمول اب بھی انسانوں پر رحم و کرم کیا کرتے ہیں لیکن اگر کوئی ہمارے کرم کا طالب ہی نہ ہو تو ہم کیا کریں۔

۲۔ تمہارے دلوں میں الحاد اور باطل موجود ہے اس لیے تم نے نئے نئے معبودوں کی پوجا شروع کر دی ہے۔ اگر تم ہمارے وفادار ہوتے تو تمہیں نماز اور روزوں کی پابندی ناگوار نہ گزرتی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم نے اسلام کی عالمگیر اُخوت کو چھوڑ کر وطن و قومیت کو اختیار کر رکھا ہے؟

۳۔ تم موجودہ مسلمان ناکارہ ہو اور علوم و فنون سے دور ہو چکے ہو تم نے فرقہ

Marfat.com

پرستی، اسلاف کی قبروں کی تجارت، غیر مسلموں کی اندھا دھند پیروی، مصلحت وقت، غیر اسلامی تمدن، ہندوانہ معاشرت، ذات پات، بے پردگی اور بے حیائی ہی کو اسلام خیال کر رکھا ہے۔

۴- تمہیں اپنے آباء سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات کے شیدائی، باعمل، مجاہد، صادق، بے باک، عادل، باحیا، بہادر، ایثار پیشہ، آپس میں مہربان، خوددار اور آزادی پسند تھے لیکن تم ان صفات سے محروم ہو۔

۵- ہمارا دستور عدل و انصاف ہے اس لیے ہم ہر اُس قوم پر اپنی رحمتیں نازل کریں گے جو ہمارے قوانین کی پابند ہو۔ جلوۂ طور تو اب بھی موجود ہے مگر تم میں کوئی اس کا طالب نہیں ہے۔

۶- غریب مسلمان ہی نماز اور روزے کی پابندی کرتے ہیں مگر تمہارے امیر لوگ اپنی دولت کے نشے میں ہم سے غافل ہیں اور تمہاری عبادات بھی بے روح ہو کر رہ گئی ہیں۔

۷- تمہارے واعظین پختہ خیالات اور پرتاثیر کلام کے حامل نہیں رہے۔ تمہارے نوجوان نئی تہذیب کا شکار ہو کر بے عمل اور دین سے بدظن ہو چکے ہیں۔ موجودہ دور میں تو ایمان ابراہیمؑ کے ذریعے سے تئے دور کی ہولناکی سے بچا جاسکتا ہے۔

۸- ملت اسلامیہ کبھی مٹنے والی نہیں کیونکہ محفل ہستی کو ابھی اس کی ضرورت ہے مگر اسلام کی بقا کسی خاص ملک یا قوم سے وابستہ نہیں ہے۔

۹- عشق رسول ﷺ کی قوت لیے تم دنیا پر چھا جاؤ۔ رسول اکرم ﷺ کی بدولت یہ عالم قائم ہے۔ اسلام کے نام لیوا دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں۔ اگر تم دنیا میں سرفرازی چاہتے ہو تو پھر میرے پیغمبر اعظم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرو۔ تمہاری تمام مشکلات کا واحد حل یہی ہے۔

[illegible] پر مشتمل ہے۔

شکوہ اور جوابِ شکوہ

کا مرکزی خیال

ہر شاعر اپنی نظم کی بنیاد ایک ایسے تصور پر رکھتا ہے جسے اس نظم کی جان کہنا چاہیے۔ یہ تصور درحقیقت ایک ایسا مرکز ہوتا ہے جس کے گرد تمام نظم گھومتی ہے۔ اس طرح علامہ اقبالؒ کی ان دو اہم نظموں کی بھی کسی مرکزی تصور پر بنیاد ہونی چاہیے۔ آیئے ہم اس امر کا جائزہ لیں کہ 'شکوہ' اور 'جوابِ شکوہ' کا اساسی تخیل کیا ہے۔

جہاں تک 'شکوہ' کے مرکزی خیال کا تعلق ہے وہ مندرجہ ذیل اشعار سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

اب وہ الطاف نہیں، ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

Marfat.com

طعن اغیار ہے رسوائی ہے ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

عام طور پر موجودہ دور کے مسلمانوں کو خدا تعالیٰ سے یہ شکایت ہے کہ اُس نے ان کی اسلام پرستی، جذبۂ جہاد اور تبلیغ اسلام کی نمایاں خدمات کے باوجود انہیں غربت، غلامی اور ہمہ گیر زوال میں گرفتار کر رکھا ہے اور غیر مسلموں کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ یہی تصور اس نظم کا مرکزی اور اہم خیال ہے باقی تمام خیالات اسی اساسی تخیل کے ماتحت ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی اس کیفیت کو اپنی شاعری کے ذریعے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرکے ان کے جذبات و احساسات کی محض نمائندگی کی ہے۔ 'جوابِ شکوہ' میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کو ان کی مندرجہ بالا شکایت کے جواب میں خدائے بزرگ و برتر کا یہ ارشاد سنایا ہے ؎

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰؑ ہی نہیں

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

دوسرے لفظوں میں اس نظم کا بنیادی خیال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نوازشات تو اب بھی موجود ہیں لیکن موجودہ مسلمانوں نے اپنی بداعمالی، کاہلی اور اعمالِ صالحات سے لاپرواہی کی بناء پر ان خدائی عنایتوں اور نعمتوں کا مستحق اپنے

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر میرا کیا ہے، شاعری کیا ہے؟

من اے میرِ اُمم! داد از تو خواہم!
مرا یاراں غزل خوانے شمر دند!

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم
حدیث عشق بیباکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکانِ اُمت
ترا با شوخیٔ رندانہ گفتم

چو رخت خویش بر بستم ازیں خاک
ہمہ گفتند با ما آشنا بود
و لیکن کس نہ دانست ایں مسافر
چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود

Marfat.com

علامہ اقبالؒ کا اندازِ تخاطب

شاعرِ مشرق، مفکر اسلام اور نباضِ فطرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلمانوں کی طرف سے "شکوہ" میں خدا کی بارگاہ میں جو محبت آمیز مگر یاس انگیز شکایات پیش کی ہیں وہ زیادہ تر عام مسلمانوں کے اعتقادات اور تصورات کی صدائے بازگشت ہیں۔ ان شکایات کو بیان کرنے کے لیے شاعر نے جو اندازِ تخاطب اختیار ہے وہ کسی قدر بے باک بھی ہے اور احترام آمیز بھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کی وحدانیت، عظمت اور احترام سے آگاہ مسلمان خدا تعالیٰ کی بارگاہِ نیاز میں گستاخانہ کلام کے ذریعے عرضِ مدعا کرے۔ اقبالؒ نے خدا کی بارگاہ میں جو شکایات بیان کی ہیں وہ حقیقت میں اقبالؒ کی ذاتی شکایات نہیں ہیں بلکہ انہوں نے عام مسلمانوں کے اندازِ فکر کی ترجمانی کی ہے۔ اس اظہارِ شکایت کے ذمہ دار عام مسلمان ہیں نہ کہ اقبالؒ۔ علامہ اقبال مرحوم و مغفور نے اس نظم کا نام "شکوہ" رکھا ہے۔ اسے ہم عام مسلمانوں کی خدا سے شکایت بھی کہہ سکتے ہیں۔ جو لوگ قرآنی تعلیمات کی حقیقت سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ 'اسلام' نام ہے اطاعت و فرمانبرداری کا۔ خدا کے احکام پر سرِ تسلیم خم کرنا ہی اسلامی تعلیمات کی روح ہے۔ سچا مسلمان تو مرضی مولا از ہمہ اولیٰ کے بمصداق خدا کے ہر حکم پر آمنا و صدقنا کہتا ہے۔ اسے چون و چرا کا اختیار نہیں ہے البتہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنی دلی آرزوؤں کا اظہار اور دین و دنیا کی بھلائیوں کے حصول کے لیے ضرور دعا کر

Marfat.com

سکتا ہے۔ جیسا کہ ہمیں قرآن میں یہ دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

دنیا اور دین کی نعمتوں اور برکتوں کی تمنا کرنا اور ان کے حصول کے لیے خدا سے دعا مانگنا عین اسلام ہے۔ ایک عالم دین کی دعا اور ایک اَن پڑھ یا دین سے ناواقف مسلمان کی دُعا کے انداز میں عاجزی شامل ہوگی لیکن قرآنی تعلیمات سے ناواقف سلمان بے ڈھنگوں کی طرح خدا سے خطاب کرکے یہ کہہ سکتا ہے کہ اے خدا! میں تیری ادت کرتا ہوں لیکن تو نے مجھے دنیا کی نعمتوں سے محروم کیوں رکھا ہے۔ ایسے حقیقہ ناشناس میں شکوہ و شکایت کے علاوہ گستاخی کا رنگ بھی شامل ہوسکتا ہے۔ اب حقیقت ناشناس کو قرآنی تعلیمات کا صحیح ادراک نہیں ورنہ وہ عجز و نیاز کی جگہ ناخانہ اندازِ خطاب اختیار نہ کرتا۔ عام مسلمان اس قرآنی حقیقت کو نہیں جانتے کہ دنیاوی ترقی اور کائنات کی تسخیر کے لیے خدا تعالیٰ نے مخصوص قوانین اور طریقے مقرر کر دیے ہیں۔ جو قوم آئین خداوندی کے مطابق عمل کرے گی وہ یقیناً اس کے بہترین اور حیات بخش ثمرات سے فیض حاصل کرے گی خواہ وہ نماز ادا کرے یا نہ کرے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی اہم عبادات کو اگر صحیح طور پر ادا کیا جائے گا تو وہ بلاشبہ انفرادی، اجتماعی، روحانی، اقتصادی، سیاسی اخلاقی، اور معاشرتی نکھار کا باعث ہوں گی۔ روحانی اور مادی ترقی کے لیے قدرت نے اپنا مخصوص نظامِ قوانین بنایا ہوا ہے۔ خدا کو اپنے آئین کی پابندی منظور ہے اور وہ اپنے قوانین پر عمل کرنے والی قوم کو متعین نتائج سے محروم نہیں کرتا۔ قرآن نے تسخیر کائنات اور مادی ترقی کے لیے علم، جدوجہد، مطالعۂ کائنات اور عمل کو لازمی قرار دیا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْعَامِلِیْنَ

بیشک اللہ عمل کرنے والوں کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

ایک نمازی اگر عقل کے استعمال اور عمل کی دولت سے خود کو محروم رکھے تو وہ آئین خداوندی کی رو سے تسخیر کائنات اور مادی ترقی کے راز کو نہیں پا سکے گا۔ عام مسلمان اس حقیقت سے ناواقف ہو کر خدا سے شکوہ کرنے لگتا ہے اقبالؒ نے اپنی نظم "شکوہ" میں عام مسلمانوں کے اس غلط اندازِ فکر کی ترجمانی کی ہے۔

علامہ اقبالؒ عام مسلمانوں کے برعکس کائنات میں جاری قوانین فطرت اور ان کے مخصوص نتائج سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لیے وہ خود خدا تعالیٰ سے گستاخانہ انداز میں خطاب نہیں کر سکتے۔ البتہ انہیں اس امر کا اعتراف ہے کہ ان کا طرزِ بیان کسی قدر بیباک، شوخ اور جرأت مندانہ ہے۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو

وہ عام مسلمانوں کے غلط دعویٰ وفاداری اور شکوہ طرازی کی یوں ترجمانی کرتے ہیں ؎

اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

فرشتے انسانوں کے گستاخانہ اندازِ تخاطب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

غیبی آواز شاعر کے اندازِ خطاب کے بارے میں یوں کہتی ہے ؎

شکر شکوے کو کیا حسن ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے

Marfat.com

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوْلِی

میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیا کرتا ہوں۔ پس چاہیے کہ تم مجھے پکارا کرو۔

چونکہ 'شکوہ' میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی طرف سے خدا کو پکارا تھا اس لیے اس پکار کا ایزدی جواب بھی 'جواب شکوہ' کی شکل میں دیا گیا ہے۔

یہ ایک نفسیاتی امر ہے کہ انسان مصیبت اور پریشانی کے عالم میں ضرور فریاد کیا کرتا ہے۔ خواہ وہ فریاد انسانوں سے کی جائے یا خدا سے۔ علاوہ ازیں انسان صرف اسی سے ناز و شوخی کے ساتھ شکایت کرتا ہے جس سے اُسے محبت یا تعلق ہو۔ جس قدر محبت شدید ہوگی اُسی قدر شکوہ و شکایت میں کبھی نیاز و انکساری کا رنگ شامل ہوگا اور کبھی ناز و شوخی کا۔ ناز اور شوخی بھی محبت کی ایک ادا ہوتی ہے۔

اگر شکوہ خلوص و محبت پر مبنی ہوگا تو پھر شوخی اور بے باکی کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اسلامی تصوف و ادب میں اولیاء اللہ کے واقعات اور خود رسول اللہ ﷺ کی جنگ بدر میں اللہ سے دعا اس حقیقت کے غماز ہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں بھی بیان کیا ہے جس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔

علامہ اقبالؒ نہ صرف بہت بڑے عاشق رسولؐ تھے بلکہ وہ تصوف و معرفت کے بھی راز دان تھے۔ وہ اپنے اس مسلک درویشانہ کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

میں بندۂ ناچیز مگر شکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند
اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبالؒ اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے

بہرحال انسان چونکہ خطاء و نسیان کا مجموعہ ہے اس لیے وہ غلطی بھی کر جاتا ہے۔ اگر اقبالؒ کے ناقدین انسانی فطرت کے اس پہلو پر ہی نظر رکھیں تو وہ

Marfat.com

خود اقبالؒ کی اس فروگزاشت کو بخوبی سمجھ سکیں گے۔ اقبالؒ نے اپنے مصرعے ''شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو'' میں ''خاکم بدہن'' کہہ کر ''شکوے'' کے لفظ پر خود خاک ڈالی ہے، وہ بندۂ عاجز کی حقیقت سے اور اللہ کی عظمت شان سے آگاہ تھے۔

جرمنی کے مشہور فلسفی نطشے نے خدا تعالیٰ کے بارے میں جن گستاخانہ کلمات کا استعمال کیا تھا اقبال نے اس پر یہ کہا کہ:

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبالؒ اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے

●......●

شکوہ اور جوابِ شکوہ کا مقابلہ

ذیل کے بندوں میں ان مشترک اُمور، شکایات اور جواباتِ شکایت کا موازنہ و مقابلہ دکھایا گیا ہے۔ جو شکوہ اور جوابِ شکوہ، میں واضح ترین دکھائی دیتے ہیں۔

شکوہ

(۱)

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں

(۲)

اُمتیں اور بھی ہیں، ان میں گنہگار بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں، مست مئے پندار بھی ہیں
ان میں کاہل بھی ہیں، غافل بھی ہیں، ہشیار بھی ہیں
سینکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

جوابِ شکوہ

(۱)

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟
تھے تو آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

(۲)

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن، تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو
ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

Marfat.com

(۳)

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں، مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں؟
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

(۳)

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود؟
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

(۴)

یہ شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور
اب وہ الطاف نہیں، ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

(۴)

کیا کہا؟ بہرِ مسلماں ہے فقط وعدۂ حور
شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور
تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے، موسیٰ ہی نہیں

(۵)

تجھ کو چھوڑا کہ رسولؐ عربی کو چھوڑا؟
بت گری پیشہ کیا، بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟
رسمِ سلمانؓ و اویسؓ قرنی کو چھوڑا؟
آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثلِ بلالِ حبشیؓ رکھتے ہیں

(۵)

کون ہے تارکِ آئینِ رسولؐ مختارؐ
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہوگئی کس کی نگہ، طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

(۶)

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی
جادہ پیمائی تسلیم و رضا بھی نہ سہی

(۶)

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی بھی
نازشِ موسمِ گل لالۂ صحرائی تھا

Marfat.com

مضطرب دل صفت قبلہ نما بھی نہ سہی
اور پابندئ آئین وفا بھی نہ سہی
کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا
کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا
کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کرلو
ملت احمدؐ مرسل کو مقامی کرلو

(۷)

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا در خیبر کس نے؟
شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟
کاٹ کر رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے؟
کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

(۷)

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے
حیدری فقر ہے، نے دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

(۸)

کون سی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی؟
اور تیرے لیے زحمت کش پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہاں گیر جہاندار ہوئی؟
کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے؟
منہ کے بل گر کے ھُوَ اللّٰہُ اَحَد کہتے تھے

(۸)

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطاکار و خطابیں، وہ خطاپوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم
تخت فغفور بھی ان کا تھا، سریر کے بھی
یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی؟

Marfat.com

جوابِ شکوہ کا ادبی مقام

''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' علامہ اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی دو بہترین مشہور و مقبول اور انقلابی نظمیں ہیں۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اکثر شعراء، سیاست دان، واعظین قوم اور طلباء کو ان کے اشعار از بر ہیں۔ پچھے دار تقریریں کرنے والے مقررین اور واعظین کو بھی اکثر اوقات اپنی تقریر کو زیادہ مؤثر اور پرزور بنانے کے لیے ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' کے شعروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان دو نظموں کی مقبولیت کا اس امر سے بخوبی اندازہ لگائیے کہ ان کا کئی زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ عرب سامعین مشہور عرب مُغنیہ ام کلثوم کی دلنشین آواز میں ''شکوہ'' سنتے ہیں تو ان پر بھی وجد کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ جس زبان میں بھی ان دو نظموں کو سنایا جائے گا ان کی جاذبیت اور تاثیر میں کوئی خاص فرق پیدا نہیں ہوگا۔ ان نظموں کا انگریزی زبان میں ترجمہ انگلستان کے مشہور مستشرق پروفیسر اے جے آربری نے کیا تھا جسے لاہور سے شیخ محمد اشرف نے شائع کیا تھا۔ مقدمے میں پروفیسر آر نکلسن کے شاگرد اقبال کی ان دو نظموں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The Shikva and Jawab-e-Shikva ... are among the most popular of Iqbal's poems; they are deservedly celebrated, for they were among the first to bring their author fame as advocate of Islamic reform and rebirth ... They mark the beginning of that remarkable career as philosopher and poet.

which brought Iqbal ever-increasing renown; until long before his death in 1938 he was recognised as the leading thinker in Urdu literature. It is all the more interesting to find him adumbrating in these early pieces that theory of Selfhood (Khudi) and Selflessness (Be Khudi) which later played such an important part in his religious and political philosophy.

The central theme of both poems is the decay of Islam from its former greatness, and the measure to be adopted if it was to re-establish its authority and regain its vitality."

(Prof.A.J.Arberry.' Complaint and Answer' pp.v & vi)

آیئے اب ہم اس بات کا سرسری طور پر جائزہ لیں کہ ان دو نظموں کی ہمہ گیر شہرت اور عظمت کا کن خوبیوں پر دار و مدار ہے۔ یہ دونوں نظمیں مسدس (چھ مصرعوں پر مشتمل بند) کی طرز پر لکھی گئی ہیں۔ ان کا ہر ایک بند بے پناہ سلاست اور روانی کا حامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سلاست بیان اور روانی جذبات ان نظموں کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ روانی کلام کے علاوہ تاثیر بیان بھی ان کی نمایاں خصوصیت ہے چونکہ ان نظموں میں علامہ اقبالؒ نے اپنی گہری دلی کیفیات اور ذہنی واردات کو بڑے فن کارانہ انداز میں بیان کیا ہے اس لیے از دل ریزد بردل خیزد کے مصداق ان نظموں میں زبردست تاثیر پائی جاتی ہے۔ انھیں سن کر یا پڑھ کر کوئی حساس مسلمان آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شاعر نے اپنے قلبی تاثرات بیان کرنے کے لیے جس بحر کا انتخاب کیا ہے وہ بھی بڑی رواں دواں ہے۔ ان دو عظیم اور پرسوز نظموں کی ایک اور ادبی خوبی منظر کشی ہے۔ انھیں پڑھ کر قاری کو مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کے زریں، حیرت انگیز اور انقلاب آفریں واقعات، اسلامی فتوحات، اسلام کی اشاعت اور تہذیب و تمدن کے واضح نقوش کا پتہ چلتا ہے۔ عہد رفتہ کی عظمت و شوکت کے حسین مناظر یکے بعد دیگرے ہماری آنکھوں کے سامنے گزرتے چلے جاتے ہیں اور ہم کچھ دیر کے لیے اپنے حال کو بھول کر ماضی کی حسین یادوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ شاعر نے بڑی مہارت اور خوبصورتی کے ساتھ ماضی اور حال کو یکجا کر دیا ہے۔ ان دو نظموں میں اسلامی،

تاریخ، فلسفہ، مذہب اور شاعری ایک دوسرے کے ساتھ نہ ٹوٹنے والے رشتوں میں منسلک نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال نے ان تمام چیزوں کو بڑے حقیقت پسندانہ طور پر بیان کیا ہے۔ روایات کی بجائے انھوں نے حقائق پر زیادہ بھروسہ کیا ہے۔ اس لحاظ سے حقیقت نگاری ان دونوں نظموں کی ایک اور نمایاں خوبی ہے۔ مختصر طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سلاست، روانی، شوکت الفاظ، معنی آفرینی، تاثیر بیان، سوز و گداز، بحر کی موزونیت، منظر کشی اور حقیقت نگاری، ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' کی نمایاں ترین ادبی خوبیاں ہیں۔

سعدیؔ ہند یعنی مولانا الطاف حسین حالیؒ نے معرکہ آراء تصنیف ''مسدس'' میں مسلمانوں کے عروج و زوال کا ذکر کیا تھا۔ اقبالؒ نے مسلمانوں کو نہ صرف ان کے درخشاں ماضی سے روشناس کرایا ہے بلکہ ان کے موجودہ زوال کو دور کرنے کے لیے ان کے مردہ دلوں میں زندگی کی حرارت، آزادی کا جذبہ، عمل کا ذوق، جفاکشی اور رجائیت کا ولولہ پیدا کیا ہے تاکہ وہ اپنے باعظمت اسلاف کے نقش قدم پر چل کر دوبارہ دنیا اور دین کی نعمتوں سے فیض یاب ہو سکیں۔

Marfat.com

شکوہ

از

علامہ محمد اقبال

ترجمہ، فرہنگ اور آسان شرح کے ساتھ

مولف

محمد شریف بقا

Marfat.com

شِکوَہ

کیوں زیاں کار بنوں، سُود فراموش رہوں؟
فکرِ فردا نہ کروں ، محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سُنوں ، اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نوا میں بھی کوئی گُل ہوں کہ خاموش رہوں؟
جُرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شِکوہ اللہ سے 'خاکم بدہن' ہے مجھ کو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں، فریاد سے معمور ہیں ہم
نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

Marfat.com

اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سُن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سُن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم
پھول تھا زیبِ چمن، پر نہ پریشاں تھی شمیم
شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم
بُوئے گُل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم
ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ اُمت ترے محبوبؐ کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر؟
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا!

Marfat.com

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی، تُورانی بھی
اہلِ چیں چین میں، ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے، نصرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اُٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی، وہ بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں!
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے، تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے

تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے؟
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شِکَنی کیوں کرتی!
ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اُکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہُوا کوئی، تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سُنایا ہم نے
تُو ہی کہہ دے کہ اُکھاڑا درِ خیبر کس نے؟
شہر قیصر کا جو تھا، اُس کو کِیا سَر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟
کاٹ کر رکھ دیے کفّار کے لشکر کس نے؟

Marfat.com

کس نے ٹھنڈا کِیا آتشکدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کِیا تذکرۂ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی؟
اور تیرے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہاں گیر، جہاں دار ہوئی؟
کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
مُنہ کے بَل گِر کے 'ھُوَاللّٰہُ اَحَد' کہتے تھے

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے!

محفلِ کون و مکاں میں سَحَر و شام پھرے
مَۓ توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو، کبھی ناکام پھرے؟

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!
بحرِ ظُلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے!
صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گِلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں، تُو بھی تو دِلدار نہیں!
اُمتیں اور بھی ہیں، ان میں گنہ گار بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں، مستِ مَۓ پندار بھی ہیں

Marfat.com

ان میں کاہل بھی ہیں، غافل بھی ہیں، ہُشیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر!
بُت صنم خانوں میں کہتے ہیں، مسلمان گئے،
ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اُونٹوں کے حُدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کُفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں؟
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟
یہ شکایت نہیں، ہیں اُن کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنھیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور!

Marfat.com

اب وہ اَلطاف نہیں، ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دُنیا نایاب
تیری قُدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
تُو جو چاہے تو اُٹھے سینۂ صحرا سے حباب
رہروِ دشت ہو سیلی زدۂ موجِ سراب

طعنِ اغیار ہے، رُسوائی ہے، ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عِوَض خواری ہے؟

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا
رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا!
ہم تو رخصت ہوئے، اَوروں نے سنبھالی دنیا
پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا!

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے، جام رہے؟

تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں، صبح کے نالے بھی گئے!
دل تجھے دے بھی گئے، اپنا صِلہ لے بھی گئے
آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

آئے عُشّاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب اُنھیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

دردِ لیلیٰ بھی وہی، قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی، حُسن کا جادو بھی وہی
اُمتِ احمدِ مرسلؐ بھی وہی، تُو بھی وہی

پھر یہ آزردگیِ غیرِ سبب کیا معنی؟
اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی؟

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربیؐ کو چھوڑا؟
بُت گری پیشہ کیا؟ بُت شکنی کو چھوڑا؟

Marfat.com

عشق کو، عشق کی آشفتہ سَری کو چھوڑا؟
رسمِ سَلمانؓ و اویسِ قرَنیؒ کو چھوڑا؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں!
زندگی مثلِ بلالِ حبَشیؓ رکھتے ہیں!

عشق کی خیر ، وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی
جادہ پیمائیِ تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مُضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی
اور پابندیِ آئینِ وفا بھی نہ سہی

کبھی ہم سے، کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں، تُو بھی تو ہرجائی ہے!

سرِ فاراں پہ کِیا دین کو کامل تُو نے
اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تُو نے
آتش اندوز کِیا عشق کا حاصل تُو نے
پھونک دی گرمیِ رُخسار سے محفل تُو نے

Marfat.com

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں؟
ہم وہی سوختہ ساماں ہیں، تجھے یاد نہیں؟

وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانۂ نظّارۂ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے، ہم نہ رہے، دل نہ رہا
گھر یہ اُجڑا ہے کہ تُو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سُوئے محفلِ ما باز آئی!

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جُو بیٹھے
سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کُوکُو بیٹھے
دُور ہنگامۂ گلزار سے یک سُو بیٹھے
تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ 'ھُو' بیٹھے!

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قومِ آوارہ عناں تاب ہے پھر سُوئے حجاز
لے اُڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بُوئے نیاز
تُو ذرا چھیڑ تو دے، تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے
طُور مُضطر ہے اُسی آگ میں جلنے کے لیے!

مشکلیں اُمتِ مرحوم کی آساں کر دے
مُورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماںؑ کر دے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے
ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے
جُوئے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما
می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما!

بُوئے گُل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن
کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمازِ چمن!

Marfat.com

عہدِ گُل ختم ہُوا، ٹوٹ گیا سازِ چمن
اُڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنّم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

قُمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں
پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پُرانی روِشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں
ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عُریاں بھی ہوئیں
قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی!

لُطف مرنے میں ہے باقی، نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں!
کتنے بے تاب ہیں جوہر مرے آئینے میں
کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں!

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں، وہ لالے ہی نہیں

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں
پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں
عَجَمی خُم ہے تو کیا، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا، لے تو حجازی ہے مری!

Marfat.com

پہلا بند

(۱)

کیوں زیاں کار بنوں، سُود فراموش رہوں؟
فکرِ فردا نہ کروں، محوِ غمِ دوش رہوں؟
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں؟
ہمنوا! میں بھی کوئی گُل ہوں کہ خاموش رہوں؟
جُراَت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شِکوہ اللہ سے، خاکم بدہن! ہے مجھ کو

مشکل الفاظ

زیاں کار: نقصان کے کام کرنے والا۔
سود فراموش: اپنے نفع کو بھول جانے والا، اپنے فائدے سے لاپرواہ۔
فردا: آنے والا کل۔ فکرِ فردا: کل کی فکر، آنے والے زمانے کا خیال۔
دوش: گزرا ہوا کل۔ محوِ غمِ دوش: گزرے ہوئے زمانے کا غم کھانے
میں مصروف۔ نالے: نالہ (رونا، شکوہ کرنا، آہ و زاری) کی جمع۔

ہمہ تن گوش رہنا: پوری طرح متوجہ ہونا، کسی کی بات سننے میں اس قدر ڈوب جانا کہ کچھ ہوش نہ رہے۔ ہمنوا: ہم آواز، ساتھی، دوست۔
گل: پھول۔ جرأت آموز: ہمت پیدا کرنے والی، حوصلہ بڑھانے والی۔
تابِ سخن: بات کرنے کی طاقت اور حوصلہ۔ شاعرانہ لیاقت: شعر کہنے کی صلاحیت۔ خاکم بدہن: میرے منہ میں خاک۔

مطلب

میں کب تک اپنے مفاد کو نظر انداز کرتے ہوئے نقصان اٹھاتا رہوں؟ میں کب تک اپنے شاندار ماضی کو یاد کر کے غم گین رہوں اور اپنے درخشاں مستقبل کی فکر نہ کروں؟ کیا میں فقط بلبل کی گریہ و زاری سننے میں غرق رہوں؟ اے میرے ساتھی! کیا میں بھی کوئی پھول (جذبات سے عاری) ہوں کہ بلبل کا رونا سن کر بھی خاموش رہوں؟ مجھے بولنے کی صلاحیت ملی ہے اور یہی بات کہنے کا حوصلہ مجھے خدا کے حضور چند گزارشات پیش کرنے کی جرأت دلاتا ہے وگرنہ میری کیا مجال کہ میں خدا تعالیٰ سے کوئی شکایت کروں۔ اگر میں خدا سے شکوہ کروں تو میرے منہ میں خاک۔

تشریح

اس بند میں علامہ اقبالؒ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلمانانِ عالم کی حالتِ زار اور دل سوز زوال کے بارے میں چند گزارشات پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ چونکہ خدا نے انہیں شعر گوئی کی خوبی اور شاعر کا حساس دل عطا کیا ہے۔ اس لیے وہ ملت اسلامیہ کی ترجمانی کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ شاندار ماضی کی یاد میں گم ہو کر زیاں کار اور سود فراموش بنا نہیں چاہتے۔ شاعرِ فردا ہونے کی حیثیت سے وہ مستقبل پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی کا چونکہ ماضی کے علاوہ مستقبل سے گہرا تعلق ہے اس لیے مستقبل کو نظر انداز کر کے محض ماضی کی

Marfat.com

یادوں میں گم رہنا زندگی کے لیے مفید ثابت نہیں ہوا کرتا۔ دوسرے لفظوں میں محوِ غمِ دوش، رہنا زیاں کاری اور سود فراموشی کے مترادف ہے۔ وہ بلبل (ملت اسلامیہ) کے دردناک نالے سن کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ وہ پھول کی طرح جذبات اور احساسات سے محروم نہیں کہ دوسروں کی گریہ و زاری سن کر خاموش رہیں۔ اُن کی نگاہ میں شاعرِ رنگین نوا ہمیشہ قوم کے لیے دیدۂ بینا کا کام دیتا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں ؎

جتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ!
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

دوسرا بند

(۲)

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصّۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں، فریاد سے معمور ہیں ہم
نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم
اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

[illegible]

[illegible] شیوۂ تسلیم: سرِ تسلیم خم کرنے کا شیوہ، حکم [illegible]

[illegible]

[illegible] سازِ خاموش: وہ ساز جو ابھی چپ ہو۔ معمور: [illegible]

شکوۂ اربابِ وفا: وفاداروں کی شکایت۔ خوگر حمد: خدا کی تعریف و توصیف کرنے کا عادی۔ گلا: شکایت۔

مطلب

اے خدا! یہ درست ہے کہ ہم مسلمان تیرے احکام کو بلا چون و چرا ماننے میں مشہور ہیں۔ چونکہ تو ہی ہمارا فریاد رس ہے اس لیے ہم تجھے اپنی داستان غم سنانے پر مجبور ہیں۔ ہمارا دل فریاد سے اس طرح بھرا ہوا ہے جس طرح خاموش ساز کے اندر سینکڑوں نغمے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ فریاد اگر ہمارے ہونٹوں پر نہ آجاتی ہے تو ہمیں معذور تصور فرما۔ ہم وفاداروں سے کبھی شکوہ بھی سن لے۔ ہم تو ہمیشہ ہی تیری حمد و ثنا کرنے والے بندے ہیں مگر آج تھوڑا سا گلہ بھی سہی۔

تشریح

مندرجہ بالا بند میں علامہ اقبالؒ مسلمانوں کے شیوۂ تسلیم و رضا کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی زندگی کا واحد مقصد اپنے خالق، مالک اور رازق کی اطاعت کرنا ہے۔ اُن کا نام ہی 'مسلم' ہے جس کے معنی ہیں خدا کے احکام کے سامنے اپنا سر جھکانے والا۔ اس لحاظ سے شیوۂ تسلیم مسلمانوں کی بنیادی خصوصیت ہے۔ اقبالؒ کے دور میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی حالت سیاسی، اقتصادی، فوجی، تعلیمی، اخلاقی اور تہذیبی اعتبار سے بہت زیادہ پریشان کن تھی۔ وہ ہر لحاظ سے دوسروں کے غلام اور دست نگر ہو گئے تھے لہٰذا شاعر خدا کی بارگاہ میں اُن کی طرف سے فریاد کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کیا یہ قدرتی امر نہیں کہ جب کوئی انسان بری طرح مشکلات میں گھر جاتا ہے تو وہ گریہ و زاری کرنے لگتا ہے۔ غالب بھی اس نفسیاتی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اُٹھتی ہے صدا
ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے مجبور ہے

Marfat.com

علامہ اقبالؒ بھی خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرنے پر مجبور ہو کر کہتے ہیں کہ اے خدا! تو اپنی حمد و ثنا کرنے والے سے ذرا سی شکایت بھی سن لے۔

تیسرا بند

(۳)

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم
پھول تھا زیبِ چمن، پر نہ پریشاں تھی شمیم
شرط انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم
بُوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم
ہم کو جمعیتِ خاطر، یہ پریشانی تھی
ورنہ اُمّت ترے محبوبؐ کی دیوانی تھی؟

مشکل الفاظ

اَزَل: وہ زمانہ جس کی ابتداء معلوم نہ ہو۔
اَزَل سے: ہمیشہ سے۔
ذاتِ قدیم: وہ ذات جو قدیم ہے یعنی خدا تعالیٰ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
زیبِ چمن: باغ کی زینت، باغ کے لیے باعث آرائش۔
پریشاں: بکھری ہوئی، پھیلی ہوئی۔
شمیم: خوشبو۔
صاحبِ الطافِ عمیم: سب پر عام مہربانیاں کرنے والا مراد خدا تعالیٰ
بوئے گل: پھول کی خوشبو۔
نسیم: نرم اور ٹھنڈی ہوا۔

Marfat.com

جمعیت خاطر: دل کا اطمینان، دلی سکون۔
محبوب: جس سے محبت کی جائے۔ مراد رسول کریم ﷺ۔
اُمت: رسول کریم ﷺ پر ایمان رکھنے والی قوم یعنی مسلمان۔

مطلب

اے خدا تعالیٰ! تیری ذاتِ بابرکات اُس وقت بھی موجود تھی جبکہ یہ کائنات وجود میں نہیں آئی تھی۔ تو کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی موجود تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تیری ذاتِ پاک اُس پھول کی مانند تھی جو باغ کی زینت کا باعث تو ہو مگر اُس کی خوشبو ہر طرف نہ بکھری ہو۔ سب انسانوں پر لطف و کرم کی بارش کرنے والے خدا! تو خود ہی انصاف کر کہ بادِ نسیم (مسلمان) کے بغیر پھول کی خوشبو (صفاتِ خداوندی) کس طرح پھیل سکتی تھی۔ ہم نے بڑی خوشی کے ساتھ دنیا والوں کو تیری صفات سے آشنا کیا۔ اگر تیری خوشنودی مقصود نہ ہوتی تو کیا ہم دیوانے تھے کہ ہم خواہ مخواہ دنیا میں تیرا نام بلند کرنے کے لیے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے؟

تشریح

اس بند میں اقبالؒ نے قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:
بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ کَانَ اٰیَۃً
اگر تمہیں ایک آیت بھی معلوم ہو تو تم اس کی بھی تبلیغ کرو۔
قرآن کریم میں بھی حکم ہے:
وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ
تم میں ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی

Marfat.com

دعوت دیا کرے۔

تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ مسلمانوں نے حکمِ خداوندی اور ارشادِ نبوی ﷺ کی تعمیل کرتے ہوئے اسلام کی آفاقی اور قدرتی تعلیمات کو دنیا کے گوشے گوشے تک پھیلانے کے لیے ہمیشہ کام کیا ہے۔ اقبالؒ اس بات کو تشبیہ و استعارہ کے پردے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح پھول کی خوشبو کو پھیلانے کے لیے نسیم دیوانوں کی طرح ماری ماری پھرتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں نے دنیا میں توحید اور خدائی صفات کو عام کرنے کی خدمت انجام دی ہے۔ اپنی اس دیوانگی اور پریشانی کو انہوں نے اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ہمیشہ اپنے دل کی خوشی اور اطمینانِ قلبی تصور کیا ہے۔

چوتھا بند

(۴)

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر؟
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

مشکل الفاظ

مسجود: جس کو سجدہ کیا جائے۔
معبود: جس کی بندگی (پوجا) کی جائے۔
شجر: درخت۔ خوگرِ پیکرِ محسوس: مادی چیزوں کو جاننے اور ماننے کا عادی،

Marfat.com

جسم رکھنے اور محسوس ہونے والی اشیاء پر یقین رکھنے والا۔
قوت بازوئے مسلم: مسلمان کے بازو کی طاقت۔

مطلب

اے خدا! ظہورِ اسلام سے پہلے تیرے جہان کی حالت کیا تھی؟ دنیا کے مختلف علاقوں میں انسان کہیں پتھروں کو خدا مانتے تھے اور کہیں درختوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ چونکہ اُس وقت انسان صرف مادی اور محسوس ہونے والی چیزوں کی پوجا کرنے کا عادی تھا۔ اس لیے وہ دکھائی نہ دینے والے خدا کو کیسے مانتا؟ تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جہالت کے اس دور میں کوئی شخص بھی تیرا نام نہیں لیتا تھا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسلمانوں نے اپنی قوتِ بازو کی بدولت گمراہ انسانوں کو تیرے نام سے آ اہ کیا تھا؟

تشریح

اقبالؒ اسلام کے آغاز سے پہلے کی دنیا کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں بت پرستی اس قدر عام تھی کہ لوگ ہر نظر آنے والی چیز کو خدا مان کر اس کی پوجا شروع کر دیتے تھے۔ اُس دور میں انسان کا شعور اس قدر پختہ نہیں تھا کہ وہ اپنے اصلی خالق کو پہچانتا اور نظر نہ آنے والے خدا پر یقین رکھتا۔ وہ کائنات کو مسخر کرنے کی بجائے خود اس کا پرستار بن گیا تھا۔ اُسے ہرگز یہ حقیقت معلوم نہیں تھی کہ اشیائے کائنات تو ہماری خدمت اور بہتری کے لیے ہیں۔ عام طور پر انسان صرف اسی شے کو مانتا رہا ہے جو اُسے محسوس ہو۔ خدا کی ناقابلِ دید اور محسوس نہ ہونے والی ہستی پر ایمان لانا ہر ایک شخص کے بس میں نہیں تھا اور آج بھی مادیت کے فدائی خدا کو پہچاننے اور اس کو تسلیم کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ کیا یہ امر قابلِ تعریف نہیں کہ مسلمانوں نے اُس اَن دیکھے خدا کو مانتے ہوئے دنیا میں اس کا نام بلند کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہ کیا؟

Marfat.com

پانچواں بند

(۵)

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی، تورانی بھی
اہلِ چیں ، چین میں، ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے، نصرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اُٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی، وہ بنائی کس نے؟

مشکل الفاظ

بس رہے تھے: آباد تھے۔ سلجوق: ترکوں کا ایک مشہور قبیلہ۔
تورانی: توران کا باشندہ۔ اہل چین: چین کے لوگ۔
ساسانی: قدیم ایران کے لوگ، ساسان ابن بہمن کی اولاد (حکمران خاندان)
معمورہ: بستی مراد دنیا۔ نصرانی: ناصرہ (بیت المقدس کے مضافات میں ایک قریہ جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے) سے نسبت رکھنے والا مُراد عیسائی۔

مطلب

اے خدا مسلمانوں کی اسلامی فتوحات سے قبل دنیا میں دیگر قومیں مثلاً سلجوقی، تورانی، چینی، ایرانی، ساسانی، یونانی، یہودی اور نصرانی سبھی موجود تھے لیکن ان میں سے کس نے تیرے نام کو بلند کرنے کے لیے کیا کیا؟ تو خود ہی بتا کہ ہم مسلمانوں [illegible] کی اور باطل کو مٹانے کے لیے کس نے [illegible] سے بگڑی ہوئی بات (توحید

تشریح

مسلمانوں نے خدا کی وحدانیت اور خدا کے عطا کردہ آئین کے فروغ کے لیے جو قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ اہل دنیا سے پوشیدہ نہیں۔ دنیا میں کہنے کو تو اور قومیں بھی آباد تھیں لیکن توحید کو عام کرنے کی سعادت صرف اسلام کے پیروکاروں کو نصیب ہوئی۔ کلمۂ حق کو بلند کرنے کے لیے جو مالی، جانی اور قلمی جہاد مسلمانوں نے کیا، وہ سلجوقی، تورانی، چینی، ایرانی، ساسانی، یونانی، یہودی اور عیسائی کسی نے بھی نہ کیا۔ جب حضرت موسیٰ ؑ نے اپنی قوم کو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تو اس قوم نے یوں جواب دیا:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ وَاِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ

تو اور تیرا رب لڑنے کے لیے جائے ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے بھی اپنے پیغمبر کا پورا ساتھ نہ دیا، اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمیشہ رسول کریم ﷺ کے شانہ بشانہ میدانِ جنگ میں جان دینے کے لیے بے چین رہا کرتے تھے تاکہ وہ خدائی نظام کو نافذ کرسکیں۔

اسلام میں جہاد کی اہمیت اور فضیلت پر جس قدر زور دیا گیا ہے وہ کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتا۔

چھٹا بند

Marfat.com

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

مشکل الفاظ

معرکہ آرا: جنگجو، بہادر، میدان جنگ میں بہادری دکھانے والا۔
کلیسا: گرجا، عیسائیوں کی عبادت گاہ۔
جہاں دار: بادشاہ، حکمران۔
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی: کسی کی شان و شوکت کو ہیچ خیال کیا جاتا تھا۔

مطلب

اے پروردگار! کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ دنیا کو تیرے نام اور عظمت سے روشناس کرانے کے لیے ہم کبھی خشکی میں لڑتے رہے اور کبھی دریاؤں میں؟ ہم مسلمان ہی تھے جو یورپ کے گرجا گھروں میں جا کر تیری عظمت اور تیری صداقت کا اعلان کرتے رہے۔ اس مقصد کے لیے ہمیں افریقہ کے جلتے ہوئے ریگستانوں اور جنگلوں میں بھی لڑنا پڑا۔ ہم تیری عظمت کے اس قدر گرویدہ تھے کہ دنیا کے حکمرانوں کی شان و شوکت ہمیں متاثر نہ کر سکتی تھی۔ ہم تو تلواروں کے سائے میں [illegible]

[illegible] اسلام علامہ اقبال مسلمانوں کے جذبۂ جہاد اور جنگی [illegible] کہ مسلمان جزیرۂ عرب سے باہر [illegible] خدا کی [illegible]

Marfat.com

وحدانیت اور عظمت کا سکہ بٹھانے کے لیے انہیں نہ صرف خشکی پر بلکہ تری میں بھی لڑنا پڑا۔ اُن کا جذبۂ شہادت اس قدر شدید اور سچا تھا کہ وہ صرف خدا کے دین کی خاطر افریقہ اور یورپ سے بھی برسرِ پیکار ہوئے۔ انہوں نے تھوڑی مدت ہی میں ایران اور روم جیسی عظیم الشان سلطنتوں کو زیر کرلیا تھا۔ وہ خدا کے سوا دنیا کی کسی بھی بڑی اور جابر طاقت سے خوف زدہ نہیں تھے۔ ان کے دل میں صرف ایک ہی خواہش تھی کہ وہ دنیا کے باطل نظریات کی جگہ صحیح تصوراتِ زندگی کو رائج کر دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے تلواروں کی چھاؤں میں بھی خدا ہی کا نام یاد رکھا۔ علامہ اقبالؒ مسلمانوں کی اس مذہبی کیفیت کو ایک اور جگہ یوں بیان کرتے ہیں ۔

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے، قومی نشان ہمارا

ساتواں بند

(۷)

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے؟
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی؟

مشکل الفاظ

تیغ زنی: تلوار کے جوہر دکھانا، تلوار [illegible]

سر بکف پھرنا: اپنے سر کو ہتھیلی پر لیے پھرنا، مرنے کے لیے ہر وقت تیار پھرنا۔

دہر: زمانہ

زر و مالِ جہاں: دنیا کا سونا اور مال مراد دنیاوی دولت۔

بت فروشی: بتوں کی فروخت کا پیشہ مراد باطل کا پرچار کرنا۔

بُت شکنی: بتوں کو توڑنا، بت فروشی کو ختم کرنا، باطل کا طلسم توڑنا اور حق کو سربلند کرنا۔

مطلب

اے ارض و سما کے مالک! ہم جیتے تھے تو تیری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور مرتے تھے تو تیرے نام کو بلند کرنے کے لیے۔ ہم مسلمانوں نے کبھی حکومت اور دولت کو حاصل کرنے کے لیے تلوار نہیں اٹھائی تھی۔ کیا ہم دنیا میں دولت کے لیے لڑا کرتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ اگر ہماری لڑائی کا مقصد دنیا کا مال و زر ہوتا تو پھر ہم بُت شکن نہ ہوتے بلکہ بُت فروش ہوتے۔

تشریح

مندرجہ بالا بند میں شاعر مسلمانوں کے جذبۂ جہاد اور خلوصِ نیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا مقصد صرف خدائی عظمت اور خدائی ہدایت کا پرچار تھا۔ قرآن حکیم میں مسلمانوں کی زندگی اور موت کا مقصد [illegible] کر دیا گیا ہے:

[illegible] وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

[illegible] قربانی، میری زندگی اور میری موت تمام [illegible]

[illegible]

[illegible] کے لیے ہوتی تھی نہ کہ [illegible]

[illegible]

Marfat.com

پر سلطان محمود غزنویؒ کے تاریخی جدوجہد اور معرکہ آرائی کی طرف جاتا ہے جس نے ہندوستان میں اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کے لیے زبردست جنگیں کیں اور اس مقصد کے لیے اس نے سومنات کے اس مشہور مندر کو بھی برباد کر دیا جہاں سونے اور چاندی کے بنے ہوئے بت رکھے تھے۔ اگر اس کے حملوں کا مقصد زر و مال ہوتا تو وہ سونے کے بتوں کو ہرگز نہ توڑتا۔ لیکن "بُت فروشی" اور "بُت شکنی" سے اصل اشارہ آذر کی بُت تراشی اور بُت فروشی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بُت شکنی کی طرف ہے۔ مسلمانوں کا دین اسلام ملت ابراہیمیؑ ہے اس لیے اس کا مقصود بُت فروشی نہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر مسلمانوں نے ساری دنیا میں بتوں اور باطل معبودوں کا خاتمہ کیا۔ انسان کے سر کو بتوں کے سامنے سے اٹھا کر صرف خداوند برتر کے سامنے جھکا کر دنیا کی ہر چیز سے بلند و بالا کر دیا۔ محمود غزنوی کی بُت شکنی مسلمانوں کی طویل جدوجہد میں صرف ایک کڑی ہے۔

آٹھواں بند

(۸)

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اُکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے، ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

مشکل الفاظ

سرکش: باغی۔ [illegible]

Marfat.com

مطلب

اگر ہم ایک بار جنگ کے میدان میں ڈٹ جاتے تھے تو پھر کبھی پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ ہماری بہادری اور جرأت دیکھ کر بڑے بڑے سورما بھی میدانِ جنگ سے بھاگنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اے خدا! اگر کوئی تیرا باغی ہوتا تو ہم اس سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ تیری خاطر تلوار تو درکنار ہم تو توپ سے بھی لڑ جاتے تھے۔ آخرکار ہم نے تیری یکتائی کی عظمت کا نقش ہر دل پر بٹھا کر چھوڑا تھا۔ ہم نے تو خنجر کے نیچے بھی رہ کر تیرا ہی پیغام سنایا تھا۔

تشریح

اس بند میں مسلمانوں کی خدا پرستی، اسلام کی محبت اور اُن کی بہادری کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ بزدل آدمی ہر چیز سے ڈرتا ہے لیکن بہادر انسان ایک ہی دفعہ مرتا ہے۔ جب کسی شخص کے دل میں یہ بات اُتر جائے کہ خدا کے سوا کسی سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہیے تو پھر اس کے دل سے موت کا ڈر بھی نکل جاتا ہے۔ وہ موت سے نہیں بھاگتا خود موت اس سے بھاگنے لگتی ہے۔ اسی طرح جس انسان کو آخرت پر یقین نہ ہو تو پھر وہ مادی زندگی کی لذتوں کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسے موت کی بجائے زندگی سے زیادہ پیار ہو جاتا ہے اسے دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں سے محبت ہوتی ہے اور وہ بار بار موت کا عذاب جھیلتا ہے۔ حقیقی مسلمان تو موت کو زندگی پر ترجیح دے کر راہِ [illegible] کی شہادت کی خواہش رکھتا ہے لہٰذا وہ کبھی میدانِ جنگ سے نہیں بھاگتے۔ علامہ اقبال نے اس بند میں مسلمانوں کے جذبۂ شہادت کی اسی اہمیت کو [illegible] کی وجہ تاریخِ اسلام کے صفحات اس بات کے شاہد ہیں کہ [illegible] کی وجہ سے ہی مسلمان بڑی بہادری سے لڑتے تھے تاکہ وہ خدا [illegible] جذبۂ شہادت کی بدولت وہ ہمیشہ

دوسروں پر غالب رہتے تھے۔

نواں بند

(۹)

تُو ہی کہہ دے کہ اُکھاڑا درِ خیبر کس نے؟
شہر قیصر کا جو تھا، اس کو کیا سَر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟
کاٹ کر رکھ دیے کفّار کے لشکر کس نے؟
کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

مشکل الفاظ

درِ خیبر: خیبر کا دروازہ۔
خیبر: مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔
قیصر: بادشاہِ روم، روم کے بادشاہوں کا لقب ہے۔
سر کرنا: فتح کرنا۔
مخلوق خداوند: انسانوں کے بنائے ہوئے خداؤں مراد بُت۔
پیکر: جسم۔
آتش کدۂ ایراں: ایران کا آتش کدہ [illegible]
مجوسیوں کا عبادت خانہ [illegible]
تذکرۂ یزداں: خدا کا [illegible]

مطلب

اے خدا تو [illegible]

Marfat.com

پھینکا تھا؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ قیصر کا شہر بھی مسلمانوں ہی نے فتح کیا تھا؟ مسلمانوں کے علاوہ کس قوم نے انسانوں کے بنائے ہوئے بتوں کو پاش پاش کیا تھا؟ مسلمانوں کے علاوہ کس قوم نے کفار کے لشکر کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا؟ کیا یہ مسلمان نہیں تھے جنہوں نے ایران سے آتش پرستی کا خاتمہ کر کے وہاں نیکی اور خدا پرستی کو زندہ کیا تھا؟

تشریح

اس بند میں اقبال مسلمانوں کی فتوحات، بے مثال بہادری اور خدا پرستی کے جذبات کی تعریف کرتے ہیں۔ اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے انہوں نے تاریخی واقعات کا بھی سہارا لیا ہے تاکہ ان کے قول کی صداقت پڑھنے والے کے دل میں فوراً اُتر جائے۔ اسلام سے پہلے ایران میں آتش پرستی زوروں پر تھی۔ وہاں کے لوگ خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت کو چھوڑ کر آگ کی پوجا کرنے لگے تھے۔ جب مسلمان تبلیغ اسلام کی خاطر ایران میں گئے تو انہوں نے وہاں توحید کا بول بالا کیا۔ وہ اس قدر بہادر اور نڈر تھے کہ انہوں نے قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتوں سے بھی لڑنے سے گریز نہ کیا اور ان کو زیر کر کے رہے۔

حقیقی مسلمان چونکہ صرف خدا کا بندہ ہو سکتا ہے اس لیے وہ غیر اللہ کی حکومت کبھی برداشت نہیں کرتا۔ اس کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں مطلب خدا سے ... کی حکومت کو قائم و دائم رکھے اور پھر اسلامی نظامِ حیات کو درہم برہم ... حق سرداری اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو حی و قیوم ہے۔ بقول اقبالؒ۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

دسواں بند

(۱۰)

کون سی قوم فقط' تیری طلب گار ہوئی؟
اور تیرے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہاں گیر، جہاں دار ہوئی؟
کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے؟
مُنہ کے بل گر کے 'ھُوَاللّٰہُ اَحَد' کہتے تھے

مشکل الفاظ

فقط: صرف۔ طلبگار: طالب، خواہش مند
زحمت کش پیکار: لڑائی کی تکلیف اٹھانے والا، جنگجو۔
شمشیر جہانگیر: تمام دنیا کو فتح کرنے والی تلوار۔
جہاندار: حکمران، دنیا پر قابض۔
تکبیر: اللہ اکبر کا نعرہ۔
ہیبت: دبدبہ، خوف۔ صنم: بت۔
سہمے ہوئے: ڈرے ہوئے۔
ھُوَاللّٰہُ اَحَد: وہی اللہ ایک ہے (یہ قرآن کی ایک مشہور سورت "سورۃ اخلاص" کی پہلی آیت ہے)۔

مطلب

اے خدا! مسلمانوں کے علاوہ ایسی کون [illegible]
یہ مسلمان نہیں تھے جو تیرے نام کو بلند کرنے کے [illegible]
کر کے طرح طرح کی تکلیفیں [illegible]

قوم اپنی فتح کرنے والی تلوار کی بدولت دنیا پر حکمران ہوئی؟ کیا یہ درست نہیں کہ مسلمانوں کے نعرہ "اَللّٰہُ اَکْبَر" کی وجہ سے دنیا میں بیداری پیدا ہوئی؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسلمانوں کی بہادری اور ہیبت کی بنا پر بہت سے لوگ فوراً توحید کا اقرار کر لیتے تھے۔ اس وجہ سے دنیا کے بت اس قدر سہمے ہوئے تھے کہ وہ منہ کے بل گر کر "ھُوَاللّٰہُ اَحَد" پکار اٹھتے تھے (یعنی توحید کی آواز ساری دنیا میں گونجنے لگی)۔

تشریح

اقبالؒ کی نگاہ میں جذبۂ جہاد دیگر تمام عبادات پر ترجیح رکھتا ہے یہی وجہ ہے وہ گزشتہ کئی بندوں میں مسلسل مسلمانوں کی عسکری فتوحات اور جہاد سے والہانہ لگن کا ذکر کر رہے ہیں۔

قرآن حکیم میں مجاہدوں کو بیٹھے ہوئے لوگوں پر ان الفاظ میں ترجیح دی گئی ہے:

فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاہِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ

اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو گھروں میں بیٹھنے والے لوگوں پر فضیلت عطا کی ہے۔

جہاد کی اہمیت کے بارے میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

الجنۃ تحت ظلال السیوف

[illegible] کے سائے کے [illegible] ہے۔

[illegible] کی [illegible] ہو سکتی ہے کہ مسلمان اسلام [illegible] جان قربان کرنے کے لیے تیار رہیں۔ اقبال جہاد کی

[illegible]

(جب تک دنیا میں حق کا نعرہ بلند نہ ہو، تو اگر مسلمان ہے تو
ایک لمحہ کے لیے بھی آرام سے نہ بیٹھ۔)

تاریخ عالم گواہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی گئے فتح ان کے قدم چومتی رہی۔ اگر ان کے دلوں میں خدا اور رسول ﷺ کی محبت جاگزیں نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی طرح طرح کی مشکلات برداشت نہ کرتے۔ اسلام نے ان کے دلوں میں اس قدر بہادری اور قوتِ ایمانی پیدا کر دی تھی کہ دنیا کے تمام معبودانِ باطل ان کا نام سنتے ہی کانپ اُٹھتے تھے اور دنیا کی دوسری قوموں پر مسلمانوں کی اس خصوصیت کا بڑا اثر تھا۔

گیارہواں بند

(11)

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

مشکل الفاظ

عین لڑائی میں: ٹھیک اس وقت جب لڑائی جاری ہو۔
وقتِ نماز: نماز کا وقت۔
قبلہ رو ہو کے: قبلہ کی طرف منہ کر کے [illegible]
زمیں بوس: زمین کو چھونے والا [illegible]
[illegible]

سامنے سجدہ میں سر جھکا دینے والا۔

قوم حجاز: حجاز کی قوم مراد مسلمان۔

محمود و ایاز: سلطان محمود غزنویؒ اور اس کا محبوب غلام، آقا اور غلام، مالک اور بندہ۔

بندہ نواز: غلام کو عزت بخشنے والا مراد آقا۔

بندہ و صاحب: غلام اور اس کا آقا۔

محتاج و غنی: غریب و امیر۔

مطلب

اے خالق کائنات! جب کبھی لڑائی کے دوران نماز کا وقت آجاتا تھا تو حجازی قوم (مسلمان) کعبہ کی طرف منہ کرکے فوراً نماز پڑھنے لگتی تھی۔ نماز کے دوران تمام مسلمان اس طرح ایک صف میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے کہ ان میں کسی آقا اور غلام، بڑے اور چھوٹے کی تمیز باقی نہیں رہتی تھی۔ تیری بارگاہ میں آکر مالک اور نوکر، امیر اور غریب سب ایک ہو جاتے تھے۔

تشریح

اس بند میں شاعر اسلامی تعلیمات کے ایک اہم اور دل کش رکن یعنی نماز کی [illegible] بے مثال مساوات کا ذکر کرتے ہیں۔ مسلمان نماز کے اس قدر پابند [illegible] کے دوران بھی اس [illegible] کی ادائیگی کا بہت زیادہ خیال [illegible] مسلمانوں کے لشکر کا ایک حصہ نماز ادا [illegible] جب وہ نماز سے فارغ ہو [illegible] اسلام [illegible] مساوات [illegible] آقا اور [illegible] مسلمانوں کی [illegible]

Marfat.com

مساوات اور اخوت غیروں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اسلام ہی ایک ایسا عالمگیر مذہب ہے جو رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی تفریق کو مٹا کر انسانی وحدت اور مساوات کا درس دیتا ہے۔

اسلام کی یہ امتیازی شان دیکھ کر غیر اسلام کے دائرے میں آنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ہندومت اور عیسائیت وغیرہ اس آفاقی مساوات سے بے بہرہ ہیں۔

بارھواں بند

(۱۲)

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے!
دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

مشکل الفاظ

محفلِ کون و مکاں: کون اور مکان کی محفل مراد دنیا۔ [illegible]
کون و مکاں: دنیا، جہان ہر وقت کی [illegible]
مے: شراب، بادہ۔ توحید: [illegible]
صفتِ جام: جام (پیالے) کی [illegible]
کوہ: پہاڑ۔ دشت: [illegible]
بحرِ ظلمات: [illegible]

مطلب

اے خدا! پرانے زمانے کے سچے مسلمان اور مبلغین دن رات دنیا میں تیرا نام بلند کرتے رہے۔ وہ جام کی مانند گردش میں رہ کر اہل جہان کو توحید کی مے پلاتے رہے تھے۔ یہ تیرے جاں نثار پہاڑوں اور ریگستانوں میں بھی تیرا پیغام توحید پہنچاتے پھرے۔ تجھے کیا اچھی طرح معلوم نہیں کہ وہ کبھی اس بارے میں ناکام نہیں ہوئے تھے؟ الغرض جنگلوں کا تو ذکر ہی کیا تیرے سچے عاشقوں نے بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑائے اور اس طرح دریاؤں کو بھی عبور کرلیا تھا۔

تشریح

اس بند میں علامہ اقبالؒ نے قرونِ اُولیٰ کے حقیقی مسلمانوں کے جذبۂ تبلیغ، خدا پرستی اور توحید پرستی کا ذکر چھیڑتے ہوئے ان کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے اسلاف اسلامی تعلیمات، خدائی احکام، قرآنی تصورات اور عشقِ رسول ﷺ میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے دینِ اسلام کے حیات بخش اصولوں، ابدی حقائق اور درخشندہ تعلیمات کو عام کرنا اپنا مقصدِ حیات بنالیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ دنیا کے باقی لوگ بھی قرآنی نظامِ زندگی اور اسوۂ رسول ﷺ سے باخبر ہوکر اپنی زندگیوں کی کجی اور ناہمواری کو دور کرسکیں۔ اس لیے وہ اسلام کی تعلیمات کو عام کرتے رہے۔ جس طرح جام شراب، بادہ [illegible] کی پیاس کو بجھانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ بعینہٖ پرانے دور کے مسلمان جام کی [illegible] رہے۔ اسلام کی روشن تعلیمات کو پھیلانے کے لیے انہوں [illegible] اور صحراؤں کا بھی خطرناک سفر اختیار کیا تھا۔ قرآن [illegible] کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

[illegible] لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ [illegible]

Marfat.com

"تم بہترین اُمت ہو۔ تمہیں اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ تم
لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور منکرات سے منع کرو۔"

اِس بند کے آخر میں ایک تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسلامی فتوحات کا سلسلہ جب افریقہ تک بھی پھیلنے لگا تو اسلامی فوج نے ایک دفعہ اپنے گھوڑوں کو دریا میں اُتار دیا تاکہ وہ اسے عبور کر کے دوسری طرف جا سکے۔ اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے جبکہ مسلمانوں نے ایرانیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے دوران اپنے گھوڑوں کو دریا میں ڈال دیا تھا۔ ایرانیوں نے جب اسلامی فوج کا یہ حیرت ناک کارنامہ دیکھا تو وہ بے اختیار پکار اٹھے:

"دیواں آمدند، دیواں آمدند"
(دیو آگئے، دیو آگئے)

تیرھواں بند

(۱۳)

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں، تو بھی تو دلدار نہیں

مشکل الفاظ

صفحۂ دہر: زمانے کا صفحہ مراد دنیا [illegible]

Marfat.com

باطل: جو حق نہ ہو، حقیقت کی ضد، کفر۔ نوعِ انساں: انسان کی نوع، انسان کی ذات۔ نوع: ذات، قسم۔ جبیں: ماتھا، پیشانی۔
سینے سے لگانا: بہت احترام کرنا، بہت پیار کرنا، بہت عزیز خیال کرنا۔
گلا: شکوہ، شکایت۔ دلدار: دل رکھنے والا، دلجوئی کرنے والا، محبت کرنے والا

مطلب

اے خدا! ہم نے زمانے سے باطل تصورات کو مٹا کر بنی نوعِ انساں کو (انسانوں کی) غلامی سے نجات دلائی تھی۔ اس کے علاوہ ہم نے تیرے کعبے کو اپنی جبینوں (سجدوں) سے آباد کیا تھا۔ ہم نے تیری آسمانی کتاب یعنی قرآنِ حکیم کو اپنے سینوں سے لگا کر اس کی حفاظت کی تھی۔ ان تمام کارناموں کے باوجود تجھ کو ہم سے یہ شکایت ہے کہ ہم تیرے وفادار بندے نہیں ہیں۔ (تو برا نہ منائے تو میں عرض کرتا ہوں) اگر ہم تیرے وفادار بندے نہیں تو پھر تو بھی ہمارا دلدار نہیں ہے۔

تشریح

شاعرِ مشرق اور حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اس بند میں بھی قدیم مسلمانوں کے چند زریں کارناموں کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اسلامی جذبۂ توحید اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے کام لیتے ہوئے زمانے سے باطل نظریات، غلط عقائد اور نادرست افعال کا خاتمہ کر دیا تھا۔ قرآنی تعلیمات اور صحیح آسمانی کتب کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔ حق وہی ہے جسے خدا نے حق قرار دیا ہے۔ قرآن کے انقلابی اور حریت آموز پیغام نے ہر قسم کی غیر خدائی حاکمیت اور [illegible] کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔ خدا کا بندہ بن کر حقیقی مسلمان کسی اور [illegible] نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی آمد سے قبل طاقت ور اور ظالم گروہوں نے کمزور اور [illegible] اسلام [illegible] تھا [illegible] حربے استعمال کرتے ہوئے انسان کو

غلام بنا کر انسانیت کی تذلیل کی تھیں رسول کریم ﷺ کی بعثت کی بدولت انسان کو انسانی غلامی سے نجات ملی۔ بقولِ اقبالؒ ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اِس بند کے دوسرے شعر میں اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ قدیم مسلمانوں نے اپنے پرخلوص اور عقیدت آمیز سجدوں سے کعبے کو آباد کیا تھا۔ پنجگانہ نماز کی ادائیگی اور حج وعمرہ کے مواقع پر بیت اللہ میں لاتعداد مسلمان خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اس طرح کعبے کو وہ اپنی جبینوں سے بساتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ اے خدا! ہم نے تیرے قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا اور اسے جان سے بھی زیادہ عزیز خیال کرتے تھے۔ آخری شعر میں وہ خدا سے شکوہ کرتے ہیں کہ ان تمام اسلامی خدمات کے باوجود تو ہمیں اپنا وفادار تصور نہیں کرتا۔ اگر ہم تیرے وفادار بندے نہیں تو پھر تو بھی ہماری دلجوئی کرنے والا نہیں۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دورِ حاضر کے بے عمل اور نام نہاد مسلمان اپنے اسلاف کے سنہری کارناموں کو بھی اپنے کارنامے قرار دیتے ہوئے خدا سے یہ بے جا شکایت کرنے کے عادی بن چکے ہیں کہ وہ اب انھیں نہیں چاہتا۔ اس لیے وہ دنیا میں زوال پذیر ہو گئے ہیں۔ یہ شکایت علامہ اقبالؒ کی ذاتی شکایت نہیں ہے بلکہ یہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی شکایت کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ شاعر نے تو محض اپنی قوم کی غلط ذہنی کیفیت کی ترجمانی کی ہے۔

چودھواں بند

(۱۴)

اُمتیں اور بھی ہیں، ان میں گنہ گار بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں، مستِ مئے پندار بھی ہیں

Marfat.com

ان میں کاہل بھی ہیں، غافل بھی ہیں، ہشیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

مشکل الفاظ

اُمت: قوم، افراد کا مجموعہ، ہم خیال انسانوں کی جماعت۔
گنہ گار: گناہ کرنے والے۔ عجز: عاجزی، بے چارگی، بے بسی۔
مست مئے پندار: پندار (غرور)۔ مے: (شراب) میں مست مراد مغرور۔
مے: شراب۔ پندار: تکبر، غرور۔ کاہل: سست۔
غافل: لاپرواہ۔ اغیار: غیر کی جمع، وہ لوگ جو اپنے نہ ہوں۔
کاشانہ: جھونپڑا۔ برق: بجلی۔ برق گرنا: بجلی گرنا مراد مصیبتوں کا شکار ہونا۔

مطلب

اے خدا! دنیا میں ہم مسلمان ہی گنہ گار نہیں ہیں بلکہ اور قوموں میں بھی گنہ گار انسان موجود ہیں۔ دوسری قوموں میں بھی ہر قسم کے انسان شامل ہوتے ہیں مثلاً ان میں سے بعض بڑے عاجز اور بعض بڑے مغرور (پندار کی شراب میں مست) ہیں۔ ہماری طرح دیگر اقوام میں سست اور لاپرواہ لوگ بھی ہیں اور بڑے ہشیار لوگ بھی ہیں۔ ان قوموں کے سینکڑوں افراد تیرا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان تمام خامیوں، کوتاہیوں اور برائیوں کے باوجود اے خدا! تو غیر مسلموں کے گھروں پر اپنی رحمتیں نچھاور کرتا ہے۔ اس کے برعکس تو بے چارے مسلمانوں کو آئے دن نت نئی مصیبتوں میں مبتلا کر رہا ہے۔

[illegible] علامہ اقبال نے اس بند میں غیر مسلموں پر خدا کی نعمتوں کی

Marfat.com

ارزانی اور مسلمانوں کی زبوں حالی کو اپنے مخصوص مؤثر انداز میں بیان کیا ہے وہ موجودہ دور کے محکوم، مفلوک الحال، مظلوم، بے کس اور مصیبت زدہ مسلمانوں کے قنوطیت پسندانہ خیالات اور قلبی اضطراب کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کی طرف سے خدا کی بارگاہ میں یہ شکایت کرتا ہے کہ غیر مسلم تمام آسائشات رکھتے ہیں لیکن مسلمانوں کے پاس کچھ بھی نہیں۔ شاعر نے اپنی فنی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے عصرِ حاضر کے دکھی مسلمانوں کے دل کی پکار کو خدا کی بارگاہ میں بیان کیا ہے کہ وہ اس طرح سوچتے اور محسوس کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کی حیرانی ہے کہ مسلمانوں کی طرح دوسری قوموں میں بھی ہر طرح کے اچھے اور برے انسان موجود ہیں مگر وہ دنیاوی ترقی، اقتصادی خوشحالی، سیاسی برتری، عسکری فوقیت اور غلبہ کے حامل ہیں۔ ترقی، خوش حالی، فارغ البالی اور حاکمانہ طرزِ زندگی بھی خدا کی نعمیں ہیں۔ مسلمان توحید و رسالت میں پختہ یقین رکھنے کے باوجود مختلف طرح کی مشکلات و مصائب کا شکار ہیں۔ ایک طرف خوشحال غیر مسلم اور دوسری طرف بدحال مسلمان ہیں۔ موجودہ زمانے کے مسلمان خدا کے اس طریق انعام کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ قرآن حکیم نے فلاح و ترقی کو ایمان کا لازمی ثمرہ قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے:

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

"اگر تم مومن ہو تو پھر تم ہی افضل و اعلیٰ ہو جاؤ گے۔"

اس بند میں مسلمانوں کے موجودہ زوال، پستی اور بے چارگی اور غیر مسلم قوموں کی خوش حالی اور ترقی کے فرق کی طرف بلیغ اشارہ کیا گیا ہے۔ جس دور میں "شکوہ" کی نظم لکھی گئی ہے وہ دور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بالعموم اور مسلم ممالک کے لیے بالخصوص بڑا پریشان کن تھا۔ یورپی ملکوں کے ہاتھوں ترکوں کی رسوائی اور عالم اسلام کی ابتری نے مسلمانوں کے اندر مایوسی کی لہر دوڑا دی تھی۔ وہ غیر مسلم قوموں کی روز افزوں ترقی اور اپنے زوال کی اصل وجوہات کو جاننے سے

Marfat.com

قاصر رہے تھے۔ انہیں یہ بات معلوم نہیں تھی کہ قدرت کے قوانین کسی امتیاز کے بغیر اپنے مخصوص نتائج پیدا کرتے رہتے ہیں۔

پندرھواں بند

(۱۵)

بُت صنم خانوں میں کہتے ہیں، مسلمان گئے
ہے خوشی اُن کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اُونٹوں کے حُدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں؟
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

مشکل الفاظ

صنم خانہ: بُت کدہ، بت خانہ۔ نگہبان: محافظ۔ منزلِ دہر: زمانے کی منزل مراد دنیا۔ حُدی خواں: حُدی (اونٹ کو مست کر دینے والا نغمہ) الاپنے والے مراد قافلہ چلانے والے۔ خندہ زن کفر ہے: کفر ہنس رہا ہے مراد کافر لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔ توحید: خدا کی یکتائی۔ پاس ہونا: خیال ہونا، لحاظ رکھنا، پرواہ کرنا۔

[illegible] حضرت [illegible] بھی خوش ہیں کہ اب [illegible] دنیا سے رخصت ہو گئے [illegible] کعبہ بھی اُن [illegible] محافظ تھے، کافر اس بات کا [illegible] حامی تھے ہمارے

Marfat.com

تھے۔ اپنی بغلوں میں قرآن دبائے ہوئے روانہ ہو گئے۔ ان کے رخصت ہوتے ہی وہ جذبہ، وہ قوتِ ایمانی اور وہ نعرۂ الا اللہ بھی گیا۔ اب ہر طرف مسلمانوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اے خدا! کیا تجھے اپنی توحید کا بھی کچھ خیال نہیں کیونکہ اگر مسلمان ہی نہ رہے تو پھر تیری توحید کا پرچار کون کرے گا؟

تشریح

اس بند میں مفکر اسلام اور شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ اس بات پر اظہارِ افسوس کر رہے ہیں کہ وہ مسلمان جو اسلامی تعلیمات کے شیدا اور عامل تھے۔ اب کہیں نظر نہیں آتے۔ وہ دنیا سے کیا گئے اپنے ساتھ قرآن کو بھی لے گئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ:

"مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب"

تو مبالغہ نہ ہوگا۔ موجودہ دور کے کافر نام نہاد مسلمانوں کی اسلام پرستی اور ان کے ہمہ گیر زوال کو دیکھ کر انہیں طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام سے وابستگی کی بناء پر وہ زوال آمادہ ہوئے ہیں حالانکہ اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرنے سے مسلمانوں کی یہ حالت زار پیدا ہوئی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی قوم سیاسی زوال کا شکار ہو جاتی ہے تو لامحالہ پھر وہ مادی، تعلیمی، اخلاقی، تہذیبی، معاشی اور سماجی لحاظ سے بھی زوال پذیر ہونے لگتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جب اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو عرب کے مسلمان چند ہی برسوں میں دنیا کے معلم اور حاکم بن گئے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے میں ان کو عروج حاصل تھا لیکن جب وہ سیاسی برتری سے محروم ہو گئے تو پھر ان کی زندگی کے ہر شعبے میں زوال آ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہلاکو کی فوجیں دنیائے اسلام کو تباہ و برباد کرنے لگیں۔ پھر مسلمانوں کو اسپین، ہندوستان اور دوسری جگہوں میں یہی حالت پیش آئی۔ مسلمانوں کے سیاسی زوال اور اقتصادی تنزل پر غیروں کو لازمی طور پر خوشی ہوئی اور وہ مزید قوت کے ساتھ انہیں ختم کرنے کے درپے ہو گئے

Marfat.com

تھے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دنیا میں توحید و رسالت ﷺ کے پرستار اَب بھی موجود ہیں مگر وہ خدا کے کرم کے محتاج ہیں۔

سولہواں بند

(۱۶)

یہ شکایت نہیں، ہیں اُن کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنھیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو مِلیں حور و قصور
اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور
اب وہ الطاف نہیں، ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں

مشکل الفاظ:

معمور: بھرا ہوا۔ محفل: مجلس، سوسائٹی۔ شعور: سمجھ، عقل۔ قہر: غضب۔
قصور: قصر (محل) کی جمع، محلات۔ وعدۂ حور: حور دینے کا وعدہ، خدا کا یہ وعدہ کہ نیک مسلمانوں کو جنت میں حوریں دی جائیں گی۔
الطاف: لطف (مہربانی) کی جمع، مہربانیاں، نوازشیں۔
عنایات: عنایت (مہربانی) کی جمع۔ مدارات: خاطر تواضع۔

مطلب:

اے خدا! ہم یہ شکایت نہیں کرتے کہ غیر مسلم قوموں کے خزانے بھرے [illegible] حالانکہ ان کے افراد کو کسی مجلس میں بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ [illegible] کافر لوگوں کو تو اسی دنیا میں حوریں اور محلات ملے ہیں اور بے [illegible] لوگوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ انھیں اگلی دنیا میں حوریں ملیں گی۔

Marfat.com

اے خدا! تو نے ہمارے اسلام پر بہت مہربانیاں کی تھیں۔ مگر کیا بات ہے کہ اب ہماری وہ خاطر تواضع نہیں ہوتی؟

تشریح

اس بند میں شاعر نے موجودہ زمانے کے زوال پذیر، محکوم، مفلس اور پریشان حال مسلمانوں کے گہرے دلی جذبات اور یاس انگیز خیالات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس نے ان کی طرف سے خدا کی بارگاہ میں شکایت کرتے ہوئے کہا ہے:

(الف) غیر مسلم قوموں کے افراد کو بات کرنے کا بھی ڈھنگ نہیں آتا اس کے باوجود ان کے پاس دولت کی کثرت ہے۔ وہ دنیا میں بے حد امیر ہیں اور مسلمان بہت زیادہ افلاس کا شکار ہو چکے ہیں۔

(ب) کیا یہ غضب نہیں کہ کافروں کو دنیا میں حسین عورتیں اور خوب صورت محلات میسر ہوں اور بے چارے مسلمانوں کو اس بات پر ٹرخا دیا جائے کہ انھیں اگلی دنیا میں حوریں دی جائیں گی؟"

(ج) سابقہ زمانے کے مسلمانوں کو خدا کی طرف سے بہت سی نعمتیں دی گئی ہیں مگر اب ہمارے ساتھ ویسا سلوک کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس امر سے انکار محال ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے خاص قوانین بنائے ہیں۔ یہ قوانین خدا کی مشیت اور انتظام کے مطابق اچھے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً آگ کا کام جلانا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ آگ غیر مسلم کے ہاتھ کو جلا دے اور مسلمان کے ہاتھ کو نہ چھوئے۔ تلوار کی کاٹ کا مسلمان اور غیر مسلم دونوں پر اثر پڑتا ہے مغرب کی قوموں نے اپنی عقل و فکر سے کام لے کر کائنات کو مسخر کیا اور وہ خدائی قانون کے تحت ہم پر غالب آ گئے اور ہم خیالی دنیا میں کھوئے رہے۔ [illegible] قانون کے سائنس، ٹیکنالوجی، علم اور [illegible] کائنات کی رو سے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی اور ہم [illegible]

وعمل سے عاری ہو کر غیر ترقی یافتہ بن گئے۔ ہم نے اپنی غلط فہمی اور خام خیالی کو دور کرنے کی بجائے خدا سے غلط شکوہ کرنا شروع کر دیا کہ وہ اب ہم پر مہربان نہیں ہیں۔ شاعر نے اس بند میں اس خامی کی نشاندہی کی ہے۔

سترہواں بند

(۱۷)

کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دُنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اُٹھے سینۂ صحرا سے حباب
رہروِ دشت ہو سیلی زدۂ موجِ سراب
طعنِ اغیار ہے، رُسوائی ہے، ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

مشکل الفاظ

[illegible] دُنیا کی دولت۔ نایاب: جو دستیاب نہ ہو سکے، جو چیز کہیں بھی [illegible] نہ ملے۔ [illegible] صحرا (ریگستان) کا سینہ مراد ریگستان۔ حباب:
[illegible] بلبلہ۔ [illegible] مسافر۔ رہرو: راستے پر چلنے والا مراد مسافر۔
[illegible]: سراب کی موج کے تھپیڑے
[illegible] جس کو تھپڑ لگایا گیا
[illegible] جو
[illegible]
[illegible]
[illegible]

خواری: رسوائی۔

مطلب

اے خدا! اس کی کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں میں دنیا کی دولت نہیں رہی۔ حالانکہ تیری قدرت اور مہربانی کی کوئی حد ہے اور نہ کوئی حساب۔ تو اگر مہربان ہو تو ریگستان سے پانی کے بلبلے پیدا ہو سکتے ہیں (ریگستان میں نخلستان اُگ سکتا ہے) اور جنگل میں سفر کرنے والا سراب (پانی) کی موجوں کے تھپیڑے کھا سکتا ہے (اسے ہر طرف پانی ہی پانی نظر آئے گا)۔ اے خدا! ہماری غربت کو دیکھ کر غیر مسلم ہمیں طعنے دے کر ذلیل کر رہے ہیں۔ کیا دین اسلام پر فدا ہونے کا صلہ اَب ذلت رہ گیا ہے؟

تشریح

اس بند کا مرکزی خیال یہ ہے کہ غیر مسلم قومیں تو معاشی طور پر بہت آسودہ اور مالدار ہیں۔ لیکن مسلمان غربت و افلاس کی بنا پر جگہ جگہ ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ غیر مسلم لوگ انہیں یہ طعنہ دے رہے ہیں کہ اسلام دراصل ان کی اقتصادی بدحالی کا ذمہ دار ہے۔ اس خیال کے چند اہم پہلو یہ بیان کیے گئے ہیں:

(الف) خداوند تعالیٰ بے حد و حساب قدرت کا مالک ہے لیکن اس نے مسلمانوں کو دنیا کی دولت سے محروم کر رکھا ہے۔

(ب) اگر خدا چاہے تو وہ صحرا میں نخلستان اور پانی کی کثرت کا منظر پیدا کر سکتا ہے۔ شاید خدا کی مرضی یہی ہے کہ موجودہ مسلمان غربت و افلاس میں مبتلا رہیں۔ اگر وہ چاہتا تو مسلمانوں کو بھی معاشی خوشحالی کا مالک (سینہ صحرا کا حباب اور سیلی زدۂ موج سراب) بنا دیتا۔

(ج) غیر مسلم قومیں مسلمانوں کی ناداری کو مدنظر رکھ کر انہیں طعنے دے کر رسوا کر رہی ہیں۔ وہ انہیں یہ طعنہ دیتی ہیں کہ خدا اور تقدیر میں پختہ

Marfat.com

یقین رکھنے اور اپنے آپ کو بہترین اُمت کہنے والے ہمارے محتاج بن گئے ہیں۔

(د) کیا اسلام پر جان قربان کرنے کا عوض ذلت و رسوائی ہے؟

اس بند میں بھی موجودہ دور کے مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کی غلط فہمیوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ اگر وہ سعی و عمل، فکر و تدبیر اور علم و حکمت کو اختیار کرتے تو وہ دنیا میں غریب اور ذلیل نہ ہوتے۔ اسلام ہرگز ان کی غربت کا سبب نہیں بلکہ ان کی کاہلی اور خام خیالی ان کی اقتصادی پسماندگی کا اصل سبب ہے۔

اٹھارہواں بند

(۱۸)

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا
رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
ہم تو رخصت ہوئے، اوروں نے سنبھالی دنیا
پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا
ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے، جام رہے!

مشکل الفاظ

بنی: بن گئی۔ اغیار: غیر کی جمع، جو لوگ اپنے نہ ہوں۔ خیالی دنیا: خیال سے تعلق رکھنے والی دنیا مراد تصورات کی دنیا۔ توحید: خدا کی وحدت کا عقیدہ۔ ساقی: شراب پلانے والا۔ جام: شراب کا پیالہ۔

مطلب

اے خدا! اب دنیا غیروں کی چاہنے والی بن گئی ہے (دنیا نے موجودہ

مسلمانوں سے منہ موڑ لیا ہے) اور اپنے لیے ایک خیالی دنیا رہ گئی ہے (موجودہ دنیا میں ہمیں آرام و راحت نصیب نہیں۔ ہمیں تو صرف اگلی دنیا میں بھلائی ملنے کی اُمید دلائی گئی ہے)۔ ہم تو دنیاوی شان و عظمت سے محروم ہو گئے اور دوسری قوموں نے یہاں غلبہ حاصل کرلیا ہے۔ اگر ہم مسلمان دنیا سے چلے گئے تو دنیا توحید کی برکات کھو بیٹھے گی۔ ہماری زندگی کا واحد نصب العین یہ ہے کہ ہم مسلمان دنیا میں تیرا نام بلند کریں۔ جس طرح ساقی کے بغیر جام کا وجود ممکن نہیں اس طرح مسلمانوں کے بغیر یہاں توحید کا پیغام دینے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

تشریح

اِس بند کے تین شعروں میں تین اہم باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ موجودہ مسلمان دنیاوی ترقی اور خوش حالی کے مالک نہیں رہے، اگر مسلمان موجود نہ رہے تو پھر یہاں توحید کا تذکرہ بھی نہ ہوگا اور مسلمانوں کی زندگی کا اصل مقصد پیغام الٰہی کو دوسروں تک پہنچانا ہے۔ درج ذیل اُمور ہماری توجہ کے محتاج ہیں:

(الف) غیر مسلم قومیں دنیاوی سربلندی کی حامل ہیں اور مسلمان اگلی دنیا کے خیال میں غرق ہو کر اس دنیا کی ترقی سے لاپرواہ ہو چکے ہیں۔ اسلام دنیا اور دین دونوں کی منفعت کو حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ ہمیں زندگی سے فرار اور رہبانیت کا درس نہیں دیتا۔ اگر مسلمانوں نے دنیاوی اُمور میں گہری دلچسپی نہیں لی تو یہ ان کا اپنا قصور ہے۔

(ب) اس میں کوئی شک نہیں کہ قدیم مسلمان توحید کے علمبردار اور اسلام کے مجاہد تھے۔ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی بدولت دنیا اسلام سے روشناس ہوئی مگر موجودہ مسلمانوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ ان کے بغیر پیغام خداوندی کا کام رُک جائے گا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ:

"اگر کوئی قوم پیغام خداوندی کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دے تو خدا اس کی جگہ دوسری قوم لے آتا ہے۔"

Marfat.com

بقولِ اقبالؒ ؎

ذکر حق از امتاں آمد غنی

(ج) زمانہ اُولیٰ کے سچے اور جاں نثار مسلمانوں کی زندگی کا عظیم نصب العین اسلام کے ابدی اور حیات بخش اصولوں کو اپنے قول و فعل سے مفید اور بہتر انداز میں پیش کرنا ہوتا تھا۔ وہ حقیقت میں خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دیتے رہے تھے۔ مگر موجودہ مسلمان تو اس صفت کے حامل نہیں۔ وہ کس طرح خدا کو مخاطب کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے بغیر دنیا توحید سے خالی ہو جائے گی؟ یہ تو "پدرم سلطان بود" والی بات ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس بند میں مسلمانوں کی اس غلط فہمی کی ترجمانی کی ہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ "حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔"

مسلمانوں کے کردار کی خوبی بھی قابلِ تعریف ہے۔

مسلمان جب ایران پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے ایک موقع پر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک دریا کو پار کیا تو ایرانی فوجی یہ حیرت انگیز بہادری دیکھ کر کہنے لگے تھے: "دیواں آمدند، دیواں آمدن۔ یعنی یہ آدمی نہیں دیو ہیں۔ یہ بہادر مسلمان تھے تو آدمی ہی مگر ان کے کارنامے دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہیں۔

انیسواں بند

(۱۹)

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں، صبح کے نالے بھی گئے

Marfat.com

دل تجھے دے بھی گئے، اپنا صلہ لے بھی گئے
آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انھیں ڈھونڈ چراغ رُخ زیبا لے کر

مشکل الفاظ

شب: رات۔ صبح کے نالے: صبح سویرے اُٹھ کر محبوب ﷺ کی یاد میں رونا۔
دل دینا: عاشق ہونا۔ صلہ: بدلہ۔ عشاق: عاشق کی جمع۔
وعدۂ فردا: آنے والے دن کا وعدہ، کل کا وعدہ مراد مرنے کے بعد جنت ملنے کا وعدہ۔ رُخ زیبا: خوب صورت اور روشن چہرہ۔
چراغ لے کر ڈھونڈنا: نہ ملنے والی چیز کی تلاش کرنا۔

مطلب

اے مالک کائنات! جاں نثار مسلمان کیا گئے کہ تیری محفل بھی گئی۔ تیری یاد میں راتوں کو جاگنے والے اور صبح سویرے تیری بارگاہ میں رونے والے مسلمان دنیا سے گئے تو شب کی آہیں اور صبح کی گریہ و زاری بھی ختم ہو گئی۔ تجھ پر قربان ہونے والے مسلمان تو تیری محبت میں زندۂ جاوید ہو کر چلے گئے۔ وہ اس دنیا میں زیادہ عرصے تک نہ رہے۔ وہ نیک مسلمان جو تجھ پر فدا تھے اور تجھ سے بے انتہا محبت کرتے تھے، انہوں نے اپنا دل تجھے دیا تھا اور اس کا صلہ انہوں نے پالیا۔ ایسے عاشق جنت کا وعدہ لے کر رخصت ہو گئے۔ اب انتہائی کوشش کے باوجود بھی تجھے ایسے جانثار اور سیدھے سادے عاشق نہیں مل سکیں گے۔

تشریح

اس بند میں مشرق کے نامور شاعر اور ملت اسلامیہ کے حقیقی ترجمان علامہ اقبالؒ ان نیک، دیندار، خدا پرست، جاں نثار اور بہادر مسلمانوں کو یاد کرتے

Marfat.com

ہیں جنہوں نے اسلامی نظام کو قائم کر کے دنیا میں خدا ترسی کو پروان چڑھایا وہ مسلمان نہ صرف نیک حاکم تھے بلکہ راتوں کو اپنے خدا کو یاد کرنے والے اہل دل بھی تھے۔ اگرچہ وہ دنیا میں زیادہ مدت تک نہ رہے تاہم وہ خدا کی محبت کی بدولت دنیا میں بھی مشہور ہو کر رہ گئے۔ وہ خدا کی محبت میں اس قدر غرق تھے کہ انہوں نے خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لیے اپنی ذاتی راحت اور خواہشات کو بھی قربان کر دیا تھا۔ خدا نے اس کے بدلے ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ انہیں مرنے کے بعد جنت میں آسائشیں ملیں گی۔ وہ اپنی مرضی کو محبوب کی مرضی میں گم کر دینے والے عاشق تھے۔ اقبالؒ خدا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ حقیقی مسلمان تیرے حکم پر مستقبل کے مسرور کن وعدوں کے سہارے دنیا میں ہر طرح کی قربانی کر کے چلے گئے۔ اب ایسے عشاق اور تیری محبت میں سب کچھ لٹا دینے والے آسانی سے نہیں ملیں گے۔

بیسواں بند

(۲۰)

دردِ لیلیٰ بھی وہی، قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی، حُسن کا جادو بھی وہی
اُمّتِ احمدِ مرسلؐ بھی وہی، تُو بھی وہی
پھر یہ آزردگیٔ غیرِ سبب کیا معنی؟
اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی؟

[illegible] لیلیٰ کی محبت۔ قیس: مجنوں، لیلیٰ کا عاشق مراد سچا عاشق۔

پہلو: دل مراد ہے۔
نجد کے دشت وجبل: نجد (حجاز اور یمن کا درمیانی علاقہ) کے پہاڑ اور جنگل۔
رم آہو: ہرن کا چوکڑی بھرنا۔ دوڑنا۔
اُمت احمد مرسلؐ: رسول کریم ﷺ کی اُمت مراد، ملت اسلامیہ۔
آزردگیٔ غیر سبب: بلاوجہ ناراضگی۔ شیدا: عاشق۔
چشم غضب: غصے بھری آنکھ مراد سخت ناراضگی۔

مطلب

اے مرے خالق و مالک! لیلیٰ کے عاشق قیس (اسلام کے شیدائی مسلمان) کے دل میں حسب دستور لیلیٰ (اسلام) کی محبت موجود ہے۔ نجد کے ریگستان اور جنگل (عرب) میں ہرن کا بھاگنا دوڑنا (فریضۂ حج کی ادائیگی کے دوران جوش وخروش سے چلنا) بھی اسی طرح قائم ہے۔ تیرے شیدائی مسلمانوں کے دل بھی وہی ہیں اور آج بھی حسب سابق وہ اسلامی تعلیمات کے حسن سے متاثر ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی اُمت (ملت اسلامیہ) بھی وہی ہے اور تو بھی وہی ہے۔ جب یہ سب اسی طرح موجود ہیں تو پھر تو بلاوجہ اپنے عاشقوں (مسلمانوں) سے کیوں ناراض ہے؟

تشریح

مندرجہ بالا اشعار میں اقبالؒ خداوند تعالیٰ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ آج مسلمانوں سے سخت ناراض کیوں ہے؟ اس ناراضگی کی کوئی ظاہری وجہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ آج بھی مسلمانوں کو خدا، رسول کریم ﷺ، قرآن حکیم اور اسلامی تعلیمات سے وہی محبت ہے جو پہلے زمانے کے مسلمانوں کے دل میں جاگزیں تھی۔ خدا تعالیٰ کی ناراضگی اس بات سے ظاہر ہے کہ آج مسلمان گزشتہ شان و شوکت، سیاسی برتری، مادی اور روحانی ترقی سے محروم ہو کر دوسری قوموں کی غلامی اور غربت کا شکار ہو چکے ہیں۔ اقبالؒ مسلمانوں کے شاندار ماضی اور عظیم تہذیب

روایات سے اس قدر متاثر ہے کہ وہ دورِ حاضر کے مسلمانوں میں بھی وہی دیرینہ عظمت اور شوکت دیکھنے کا خواہش مند ہے۔

اکیسواں بند

(۲۱)

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربیؐ کو چھوڑا؟
بُت گری پیشہ کیا، بُت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشفتہ سَری کو چھوڑا؟
رسمِ سلمانؓ و اویسِ قرنیؓ کو چھوڑا؟
آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثلِ بلالِ حبشیؓ رکھتے ہیں

مشکل الفاظ

رسولِ عربیؐ: عرب میں پیدا ہونے والا رسول مراد حضرت محمد ﷺ۔
بت گری: بت سازی۔ بت شکنی: بتوں کو توڑنا۔
آشفتہ سری: پریشانی و بے قراری۔
سلمانؓ: سلمان فارسی جو رسول کریم ﷺ کے سچے عاشق تھے۔
قرنی: قرن (یمن کا ایک قبیلہ) کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے۔
اویسؓ: پیغمبر اسلام ﷺ کے جاں نثار۔
رسمِ سلمانؓ و اویسِ قرنیؓ: سلمانؓ فارسی اور اویسِ قرنی کی رسم مراد وہ حقیقی [illegible] جس کا دستور سب کچھ قربان کر دینا ہے۔
تکبیر: اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنا۔ خدا کی کبریائی کا اعلان۔
[illegible] حبشہ سے تعلق رکھنے والے بلالؓ کی مانند۔

Marfat.com

مطلب

اے خالق دو جہاں! کیا ہم مسلمانوں نے تجھے اور تیرے پیارے رسول ﷺ کے عشق کو چھوڑا ہے؟ کیا ہم نے اب بت شکنی کی بجائے بت گری و بت سازی اختیار کرلی ہے؟ کیا ہم آج کل عشق اور عشق کی واردات کو خیر باد کہہ چکے ہیں؟ کیا ہم نے سلمان فارسیؓ اور اویس قرنیؓ کی عاشقانہ رسم کو ترک کر دیا ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج کے گئے گزرے زمانے میں بھی مسلمان اپنے دل میں تیری کبریائی کا شدید جذبہ رکھتے ہیں؟ ہم تو آج بھی حبش کے رہنے والے بلالؓ کی طرح اسلام کی خاطر ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔

تشریح

نباضِ ملت اسلامیہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ اس بند میں اسلام اور رسول کریم ﷺ کے تین سچے جاں نثاروں حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت اویس قرنیؓ اور حضرت بلالؓ کی بے مثال محبت کا ذکر کرتے ہیں۔ ان تینوں بزرگوں نے اسلام کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کی تھیں۔ سلمانؓ فارسی نے رسولؐ خدا کی نبوت کا شہرہ سن کر اپنے وطن فارس (ایران) کو خیر باد کہا اور سب کچھ قربان کرکے اسلام کے دائرے میں آئے۔ اویس قرنیؓ بھی آپ ﷺ پر نادیدہ ایمان لائے تھے اور زبردست فدائی بن کر رہے۔ جہاں تک حضرت بلالؓ کا تعلق ہے وہ رسول کریم ﷺ کی تعلیم پر ایمان لائے اور اس راہ میں ہر مصیبت برداشت کی۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو انھیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں گرم ریت پر لٹا دیا جاتا تھا۔ لیکن وہ اس سزا کے باوجود بھی "اللہ احد" کا نعرہ بلند کرتے رہے۔ اقبالؒ کہتے ہیں کہ آج کے دور جدید میں بھی مسلمان اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے لیے سلمان فارسیؓ، اویس قرنیؓ اور حضرت بلالؓ کی طرح تمام مشکلات برداشت کرسکتے ہیں۔ ہر قسم کی تکلیف کے باوجود انھوں نے خدا، رسول ﷺ اور اسلام سے اپنا

عشق ترک نہیں کیا ہے۔ وہ توحید کے علمبردار ہیں اس لیے وہ آج بت فروش نہیں بلکہ بت شکن ہیں۔

بائیسواں بند

(۲۲)

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی
جادہ پیمائیِ تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مُضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی
اور پابندیِ آئینِ وفا بھی نہ سہی
کبھی ہم سے، کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں، تُو بھی تو ہرجائی ہے!

مشکل الفاظ

جادۂ پیمائیِ تسلیم و رضا: تسلیم و رضا کے راستے پر چلنا مراد دلی اطاعت اور فرماں برداری۔

تسلیم و رضا: خدا کے فرمان کو خوشی خوشی قبول کر لینا اور اس کے فیصلے پر راضی رہنا۔

جادہ پیمائی: راستے کو ناپنا مراد راستے پر چلنا۔

مضطرب: بے چین

صفت قبلہ نما: قبلہ نما (قبلہ کی سمت بتانے والا آلہ اور اس کی سوئی) کی مانند مراد ہے بے چینی کے ساتھ۔

پابندیِ آئینِ وفا: وفا کے اصول کی پابندی مراد وفاداری۔

شناسائی: واقفیت، جان پہچان

ہرجائی: ہر ایک جگہ پر موجود ہونے والا مراد بے وفا۔

مطلب

اے میرے پروردگار! میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ موجودہ دور کے مسلمانوں میں اپنے بزرگوں کی طرح اسلام سے وہ محبت نہیں جو انہیں نصیب تھیں اور نہ ہی وہ ان کی مانند تیرے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ میں یہ امر بھی مانتا ہوں کہ ہم اپنے اسلاف کی طرح تیری شریعت (آئین) پر چلنے کے لیے قبلہ نما کی سوئی کی مانند اپنے دلوں میں بے چینی اور دل چسپی نہیں رکھتے۔ اس اعتراف کے باوجود میں یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ تو بھی ہرجائی ہے کیونکہ کبھی تو مسلمانوں کا ساتھ دیتا ہے اور کبھی غیر مسلموں کا۔

تشریح

مندرجہ بالا بند دراصل ''گریز'' کا بند ہے کیونکہ اِن اشعار میں وہ مسلسل موضوع نہیں جن کا بیان پہلے اشعار میں کیا گیا ہے۔ اس سے قبل اقبالؒ مسلمانوں کی خدا، رسول کریم ﷺ، قرآن اور اسلامی تعلیمات سے شدید محبت اور پیروی کا ذکر کرتے رہے لیکن اَب انہوں نے اس موضوع سے ہٹ کر بات شروع کی ہے۔ آخر کار اقبالؒ یہ حقیقت ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ عصر جدید کے مسلمانوں میں اسلامی شریعت کی وہ پابندی اور وہ بات نہیں جو ان کے اسلاف مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر بزرگوں کی نمایاں ترین خصوصیت تھی۔ علامہ اقبالؒ، اسلاف کی پیروی کی آرزو کرتے ہوئے ایک جگہ کہتے ہیں ؎

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لایحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں
مرے مولا! مجھے صاحب جنوں کر

Marfat.com

اس بند کے آخر میں وہ خدا تعالیٰ سے بھی یہ شکایت کیے بغیر نہیں رہ سکے کہ اگر موجودہ زمانے کے مسلمان وفادار نہیں ہیں تو پھر تیری توجہ تیرے فضل و کرم اور نوازشوں کو بھی ایک جگہ قرار نہیں۔ تو کبھی تو مسلمانوں کو دنیا کی سرداری عطا کرتا ہے اور کبھی غیر مسلم قوموں کو سربلند کر دیتا ہے۔

تیئسواں بند

(۲۳)

سر فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے
اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے
پھونک دی گرمیِ رخسار سے محفل تو نے
آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں
ہم وہی سوختہ ساماں ہیں، تجھے یاد نہیں؟

Marfat.com

مطلب

اے خدا! تو نے دین اسلام کو کوہ فاران کی چوٹی پر مکمل کر دیا تھا۔ وہاں جب تیرے پیارے رسول ﷺ نے تیری وحدت کا اعلان کیا تو ہزاروں انسان مسلمان ہو گئے تھے۔ تو نے نہ صرف ان مسلمانوں کے اندر عشق کی آگ روشن کر دی تھی بلکہ تو نے دنیا والوں کو بھی اسلام کا گرویدہ اور مداح بنا دیا تھا مگر آج ہمارے دلوں میں ہمارے اسلاف جیسا ایمان کیوں نہیں ہے؟ ہم سوختہ سامان بھی انہی بزرگوں کی اولاد ہیں اور وہی مسلمان ہیں جو اپنا سب کچھ تجھ پر لٹا چکے ہیں۔

تشریح

اِن اشعار میں اقبالؒ نے کہا ہے کہ خداوندا! تو نے اپنے رسولِ مقبول ﷺ پر نبوت ختم کر دی ہے اس طرح دین اسلام کو مکمل کر دیا۔ اَب اور کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ تیرے محبوب ﷺ نے تیری توحید کی تعلیم جب مکہ کی ایک مشہور و معروف پہاڑی "فاران" سے شروع کی تو کفار مکہ کی مسلسل مخالفت کے باوجود تیرے کرم نے اس کو کمال تک پہنچا دیا۔ تیرا جب اشارہ ہوا تو ہزاروں کے دل اس مقام پر فدا ہو گئے! نہ صرف مسلمانوں کے دلوں میں خدا پرستی کا شدید جذبہ پیدا ہو گیا بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ دین دنیا کے دیگر ملکوں میں بھی پھیلنے لگا اور لوگ اسلام کی ہمہ گیر انقلابی اور قدرتی تعلیمات کی سادگی اور دلکشی سے متاثر ہو کر مسلمان ہوتے چلے گئے۔ علامہ اقبالؒ کو اس بات کا بہت زیادہ دُکھ ہے کہ آج کل کے مسلمانوں میں عشق اسلام کی وہ چنگاریاں موجود نہیں ہیں جن سے ان کے اسلاف کے دل گرم تھے۔ اس بات کو وہ ایک جگہ یوں بیان کرتے ہیں ۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

چوبیسواں بند

(۲۴)

وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے، ہم نہ رہے، دل نہ رہا
گھر یہ اُجڑا ہے کہ تُو رونقِ محفل نہ رہا
اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سُوئے محفلِ ما باز آئی

مشکل الفاظ

وادیٔ نجد: نجد (حجاز اور یمن کا درمیانی حصہ) کی وادی۔
شورِ سلاسل: زنجیروں کا شور۔
سلاسل: سلسلہ (بمعنی زنجیر) کی جمع۔
قیس: مجنوں
دیوانۂ نظارۂ محمل: محمل کے نظارے کا دیوانہ۔
حوصلہ: طاقت، ہمت۔ رونقِ محفل: محفل کی رونق۔

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی

وہ دن کتنا مبارک ہوگا جب تو ہماری محفل میں سیکڑوں ناز و ادا کے ساتھ اور بے جھجک واپس آئے گا۔

Marfat.com

مطلب

اے کائنات کے مالک! آج نجد کی وادی (دنیائے اسلام) میں زنجیروں کا وہ شور (نعرۂ تکبیر) سنائی نہیں دیتا جو لیلائے توحید کے نظارے کے لیے بے تاب (مسلمان) کے بارے میں مشہور تھا۔ بدقسمتی سے اب ہم نہ تو پہلے جیسے ہیں اور نہ ہی ہمارے پاس وہ دل اور حوصلہ ہے۔ ہمارا دل اُجڑا ہوا گھر بن کر رہ گیا ہے صرف اس لیے کہ تُو رونقِ محفل نہیں رہا۔ وہ دن ہمارے لیے کتنا بابرکت ہوگا جبکہ تُو سینکڑوں ناز و ادا کے ساتھ اور کسی پردے کے بغیر ہماری محفل (دل) میں لوٹ کر آجائے گا۔

تشریح

علامہ اقبالؒ اس بند کے پہلے دو شعروں میں اس بات کا افسوس کرتے ہیں کہ آج کل کے مسلمانوں میں اسلام کے لیے سرفروشی کا وہ آتشیں ولولہ نہیں رہا جو ان کے بزرگوں کے دلوں میں پایا جاتا تھا۔ نہ تو وہ انقلابی مسلمان رہے ہیں اور نہ ان کا دل عشق کی حرارت سے گرم نظر آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے دل کی رونق صرف تیری توجہ اور مہر و کرم سے قائم تھی۔ تیری توجہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ ہے وہ تیرے مہر و کرم ہی سے ممکن ہے۔ [illegible] اس بند کے آخری (یعنی) شعر میں وہ اسی کی آرزو کرتے ہیں کہ اے خدا ہم مسلمانوں کے دلوں کی سونی محفل تو دوبارہ آ اور تیرے کرم [illegible] اور پھر توجہ فرما۔

اقبال ہم اس بات کی شدید آرزو ہے کہ [illegible] اپنے دلوں کو [illegible] مالک بن کر [illegible]

پچیسواں بند

(۲۵)

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے
سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کوکو بیٹھے
دور ہنگامۂ گلزار سے یک سو بیٹھے
تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ 'ھو' بیٹھے
اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

مشکل الفاظ

بادہ کش: شراب پینے والا، پینے والے۔
لبِ جو: ندی نہر کے کنارے بیٹھنا
[illegible]

[illegible]

کا پیالہ لیے کوئل کے میٹھے نغمے سن رہے ہیں۔ باغ کی اس چہل پہل سے دور تیرے شیدائی مسلمان خاموشی سے تیری رحمت کے اشاروں کے انتظار میں ہیں۔ اے خدا! تو اپنے شیدائیوں کو دوبارہ ترقی کرنے کا شوق دے اور عشق الٰہی کی پرانی بجلی کو یہ حکم دے کہ وہ پھر ہمارے دل وجگر میں سوز پیدا کر دے۔

تشریح

مندرجہ بالا بند منظر کشی کی ایک عمدہ اور اثر پیدا کرنے والی مثال ہے۔ شاعر نے اس منظر کے دو متضاد پہلو پیش کیے ہیں۔ ایک پہلو تو یہ ہے کہ باغ عالم میں ندی کے کنارے بیٹھ کر اغیار عیش کر رہے ہیں اور دوسری طرف ہم جیسے پریشان اور اداس لوگ چپ چاپ دور بیٹھے حسرت سے یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ عیش وعشرت کرنے والے تو غیر مسلم ہیں اور دنیا کی نعمتوں سے محروم لوگ مسلمان ہیں۔ اقبالؒ نے اس تضاد کو بڑی مہارتِ فن کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آخری شعر میں وہ خدا سے یہ دعا کرتے ہیں کہ تو مسلمانوں کو دوبارہ ترقی کرنے اور اپنے دل کو عشق الٰہی سے زندہ کرنے کی توفیق دے۔ اقبالؒ ایک اور جگہ اسی خیال کو یوں دہراتے ہیں ۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

.... ✺ ....

چھبیسواں بند

(۲۶)

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز
لے اڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

Marfat.com

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے
طور مضطر ہے اُسی آگ میں جلنے کے لیے

مشکل الفاظ

قوم آوارہ: آوارہ اور گمراہ قوم۔
عناں تاب: اپنی باگ کو موڑنے والا مراد۔ اپنی حقیقی منزل کی جانب جانے والا۔
سوئے حجاز: حجاز کی طرف۔
بلبلِ بے پر: وہ بلبل جو اپنے پروں سے محروم ہو چکا ہو۔ بے سہارا۔
مذاقِ پرواز: اُڑنے کا جذبہ۔ مضطرب: بے چین۔
غنچہ: کلی۔ بوئے نیاز: نیاز مندی کی بو۔ مراد نیاز مندی کا آغاز۔
مضراب: ساز کو چھیڑنے کا آلہ۔ تشنہ: پیاسا۔
تشنۂ مضراب ہے ساز: ساز اپنے مضراب کا پیاسا اور منتظر ہے۔
طور: طور پہاڑ جہاں حضرت موسیٰؑ کو خدا کا دیدار نصیب ہوا تھا۔
مضطر: بے چین

مطلب

اے خدا! مسلمان قوم جو تیرے راستے سے ہٹ چکی تھی۔ اَب اُس نے دوبارہ حجاز کی طرف اپنی باگ موڑ لی ہے۔ بے پر بلبل (مجبور مسلم قوم) کے دل میں دوبارہ اُڑنے کا ذوق (ترقی کی زبردست خواہش) پیدا ہوگیا ہے باغ (ملت اسلامیہ) کے ہر ایک غنچے (فرد) میں نیاز مندی کی خوشبو پھیلنے کے لیے بے چین ہے۔

اے تمام جہانوں کے مالک! تو ذرا ہمارے ساز (دل) کو دوبارہ چھیڑ دے کیونکہ ساز مضراب لگنے کا منتظر ہے۔ ہمارے دل کے تاروں سے نغمۂ توحید

Marfat.com

نکلنے کے لیے بے تاب ہے۔ ہمارے دل کا طور دوبارہ تیرے عشق کی آگ میں جلنے کا انتظار کر رہا ہے۔

تشریح

شاعر کو اس بات کی خوشی ہے کہ اَب دوبارہ بے بس مسلمانوں کے اندر دنیا میں ترقی کرنے اور اسلام کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کا شدید جذبہ جنم لے رہا ہے۔ ملت اسلامیہ کا ہر فرد در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد پھر اسلام اور خدا کی طرف جھک رہا ہے۔ مسلمانوں کو اَب اس امر کا شدید احساس ہوگیا ہے کہ وہ اسلام اور خدا کو چھوڑ کر دنیا میں شان و عظمت حاصل نہیں کرسکتے۔ موجودہ دور کے سیاسی، اقتصادی اور سائنسی حالات نے ان کے دلوں میں دوبارہ سرفرازی کی خواہش پیدا کر دی ہے لیکن وہ اس کے لیے خدا کے فضل و کرم کے محتاج ہیں۔

علامہ اقبالؔ "بانگ درا" میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

ستائیسواں بند

(۲۷)

مشکلیں امتِ مرحوم کی آساں کر دے
مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے
ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے
جوئے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما
می تپد نالہ بہ نشترکدۂ سینۂ ما

Marfat.com

مشکل الفاظ

اُمت مرحوم: وہ قوم جس پر خدا کی رحمت ہے مراد ملت اسلامیہ۔

مور بے مایہ: حقیر اور کمزور چیونٹی۔

ہمدوشِ سلیماں: حضرت سلیمانؑ کے دوش کے برابر، جلیل القدر پیغمبر سلیمانؑ کے مرتبے کے برابر۔[1]

جنس نایاب محبت: محبت کی نایاب جنس، وہ محبت جو اب تقریباً ایک نہ ملنے والی شے بن چکی ہے۔

ارزاں: سستا، عام۔ ہند: ہندوستان۔

دیر نشین: دیر (مندر) میں بیٹھنے والا، بتوں کا پجاری۔

جوئے خوں: خون کی ندی۔

می چکد: ٹپکتی ہے مراد بہتی ہے۔

حسرت دیرینۂ ما: ہماری پرانی حسرت۔

می تپد: تڑپتی ہے۔ نالہ: فریاد۔

نشتر کدۂ سینۂ ما: ہمارا سینہ جو نشتروں کا نشانہ بن چکا ہے۔

جوئے خوں می چکد از حسرت دیرینۂ ما
می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما

(ہماری پرانی حسرتوں کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے خون کی ندی بہہ رہی ہے اور نشتروں سے زخمی ہمارے سینے سے فریاد بلند ہو رہی ہے۔)

مطلب

الٰہی! جس قوم (مسلمان) پر تو نے کبھی اپنا فضل و کرم کیا تھا اب تو ہی

[1] قرآن میں ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ اپنی فوج کے ساتھ چیونٹیوں کی وادی سے گزرے تو ایک چیونٹی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ تاکہ وہ فوج کے پاؤں تلے نہ روندی جائیں۔ اقبال کے پیش [illegible]

اس قوم کی تمام تکلیفیں دور کر دے۔

اے پروردگار! تو کمزور اور بے بس چیونٹی (مسلمان قوم) کو سلیمان کا ہم مرتبہ بنا دے۔ (بلند مقام عطا کر)

میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو پھر مسلمانوں کے دل میں محبت کی نایاب جنس (عشق الٰہی کا جذبہ جو غائب ہو چکا ہے) کو عام کر دے تاکہ ہندوستان کے وہ مسلمان جو ہندوانہ رسومات اور نظریات کے پجاری بن گئے ہیں وہ دوبارہ صحیح مسلمان بن سکیں۔ ہماری پرانی حسرتوں کی بناء پر ہماری آنکھوں سے خون کے آنسو بہہ رہے ہیں اور ہمارے زخمی سینوں سے آہ و فریاد بلند ہو رہی ہے۔

تشریح

اس بند میں اقبالؒ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر یہ دعا مانگتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی تمام مشکلات حل کر دے تاکہ وہ دوبارہ اپنا کھویا ہوا بلند مقام حاصل کر سکیں۔ اقبالؒ کے زمانے میں چونکہ مسلمان تعلیمی، تہذیبی، اخلاقی، مادی، سیاسی، اور معاشرتی لحاظ سے دوسری قوموں کے مقابلے میں بہت کمزور اور پیچھے تھے اس لیے وہ انہیں "مورِ بے مایہ" قرار دیتے ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ زندگی بسر کر کے مسلمانوں میں بھی غیر شعوری طور پر کچھ ہندوانہ خیالات رائج ہو گئے تھے جنہیں وہ غلطی سے اسلامی ہی سمجھتے رہے۔ اس لیے علامہ اقبالؒ نے انہیں دیر نشین کہا ہے۔ اقبالؒ ہندوستان کے مسلمانوں کے اندر محبت الٰہی کی حرارت پیدا کرنے کے لیے دعا کرتے ہیں۔ وہ ایک اور جگہ پر کہتے ہیں ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اٹھائیسواں بند

(۲۸)

بُوئے گُل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن
کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمّازِ چمن!
عہدِ گُل ختم ہُوا، ٹوٹ گیا سازِ چمن
اُڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنّم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

مشکل الفاظ

بوئے گل: پھول کی خوشبو۔ بیرونِ چمن: چمن سے باہر۔
رازِ چمن: باغ کا راز۔ کیا قیامت ہے: کیا مصیبت ہے، یہ کتنے غضب کی بات ہے۔
غمازِ چمن: باغ کی چغلی کھانے والا۔
عہدِ گل: پھولوں کا زمانہ مراد بہاروں کا موسم۔
زمزمہ پردازِ چمن: باغ میں گیت الاپنے والا، گلستان میں نغمے چھیڑنے والا۔
محوِ ترنم: دل کش آواز کے ساتھ گانے میں مصروف۔
نغموں کا تلاطم: گیتوں کا طوفان۔

مطلب

[illegible] کس قدر افسوس ناک ہے کہ پھولوں کی خوشبو (افرادِ قوم) خود ہی [illegible] (ترقی کے عروج) باغ (قوم) سے باہر لے گئی ہے۔ یہ کتنا [illegible] (افرادِ قوم) ہی اپنے چمن (قوم) کے چغل خور ہیں۔ ہماری

Marfat.com

بدقسمتی ہے کہ بہار کا موسم (مسلمانوں کی عظمت و شوکت کا دور) ختم ہوا اور چمن کا ساز ٹوٹ گیا (قومی وحدت پارہ پارہ ہو گئی) ہے۔ چمن میں گیت گانے والے پرندے (ملت اسلامیہ کی عظمت کے گن گانے والے انسان) ڈالیوں سے اُڑ گئے ہیں۔ (فوت ہو چکے ہیں) موجودہ قومی زوال کے باوجود اَب تک ایک بلبل (اقبالؒ) گزشتہ تابناک ماضی کے راگ برابر الاپ رہا ہے اور اس کے سینے میں نغموں کا ایک طوفاں برپا ہے۔

تشریح

اِس بند میں اقبالؒ اس بات پر افسوس کرتے ہیں کہ آج مسلمان قوم میں ایسے غدار اور بے وفا افراد پیدا ہو چکے ہیں جو اپنی قوم کے راز دوسروں کو بتا رہے ہیں۔ یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے عروج اور عظمت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور اب اسلام اور وطن سے محبت کرنے والے نیک سیرت اور بلند کردار ہستیاں بھی نہیں ہیں۔ شاعر نے رمز و اشارہ سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کے عبرتناک زوال کا نقشہ کھینچا ہے۔ کوئی محبِ وطن اور حساس شخص ان پرسوز اشعار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ گلشن اسلام خزاں کا شکار ہو چکا ہے اور جن کے دم سے چہل پہل تھی وہ ایک ایک کرکے رخصت ہو چکے ہیں۔ تاہم ایک بلبل ابھی تک موجود ہے جو عظمت رفتہ کے گیت سنا رہا ہے تاکہ اس کے زندگی بخش نغموں سے متاثر ہو کر مسلمان دوبارہ پرانی شان و شوکت اور عزت حاصل کر سکیں۔

اقبالؒ کے کلام میں بعض اوقات حسرت آمیز انداز ضرور ملتا ہے لیکن مایوسی اور نااُمیدی بالکل نہیں ہے۔ اقبالؒ محض ماضی پرست شاعر نہیں ہیں اور نہ وہ فقط شاندار ماضی کے گیت گاتے رہنے کے قائل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی شاعری اسلاف کی عظمت و شوکت کے اسباب اور ان کے گراں قدر کارناموں کی یاد دلا کر ہمیں اپنے مستقبل کو شاندار اور ترقی یافتہ بنانے کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

انتیسواں بند

(۲۹)

قُمریاں شاخِ صنوبر سے گُریزاں بھی ہوئیں
پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پُرانی روِشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں
ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عُریاں بھی ہوئیں
قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی!

مشکل الفاظ

شاخ: ٹہنی۔ شاخِ صنوبر: صنوبر (ایک درخت) کی شاخ۔
گریزاں ہونا: دور بھاگنا۔
پریشاں: منتشر، بکھری ہوئی۔
روش: باغ میں گلگشت کے لیے تنگ راستہ۔
پیرہن برگ سے عریاں: پتوں کے لباس سے محروم مراد لنڈ منڈ (یعنی پت جھڑ کے اثر نے ڈالیوں کو ننگا کر دیا اور ایک ایک پتہ نوچ لیا)
قیدِ موسم: موسم کی پابندی۔ گلشن: باغ۔

مطلب

[illegible] قمریاں (افراد) صنوبر کی شاخ (قومی مفاد) سے دور بھاگ رہی ہیں۔
[illegible] کی پتیاں (قوم کے افراد) جھڑ جھڑ کر بکھر گئی ہیں (قومی اتحاد غائب ہوگیا
[illegible] پھولوں سے آراستہ باغ کی روشیں (قوم کی خوبیاں) بھی ویران
[illegible] ڈالیاں (افراد) پتوں کے لباس (تہذیب و تمدن) سے برہنہ (عاری)
[illegible] کے باوجود بلبل (اقبالؒ) کی طبیعت خرابی

کے اثرات سے آزاد ہو رہی ہے۔ کاش گلشن (قوم) والے اس کی فریاد (پرسوز کلام) کو سمجھتے۔

تشریح

اس بند میں اقبالؒ نے ملت اسلامیہ کے احوال کا نقشہ کھینچا ہے کہ گلشن اسلام کو گلزار رکھنے والے چل بسے، پتیاں گر گر کر پامال ہوگئیں اور پرانی خوبصورت روشیں ویران ہوگئیں، ڈالیوں پر پتوں کا لباس نہیں رہا کیونکہ وہاں خزاں کے موسم نے ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ اگرچہ گلشنِ اسلام سے بہار کا کاروان رخصت ہو چکا ہے تاہم شاعر بلبل شوریدہ کی مانند نغمہ خواں ہو کر سننے والوں کے دل میں امید اور عمل پیدا کرنے کا خواہش مند ہے۔

یہ ایک واضح امر ہے کہ جب کسی قوم میں سیاسی اور اخلاقی زوال آنے لگتا ہے تو پھر اس قوم میں قومی اتحاد، قومی مفاد سے محبت اور باہمی ترقی کا جذبہ غائب ہو جاتا ہے۔ قوم کے بیشتر افراد ذاتی فائدے اور ذاتی عہدے کی خاطر قوم اور ملک سے غداری کرنے لگتے ہیں۔ ہندوستان میں جب مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہوا تو پھر ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھا گئی۔ مسلمانانِ ہند میں ایسے غدار اور بدبخت لوگ بھی تھے جو مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ہندوؤں اور انگریزوں کے دامِ فریب میں آگئے تھے۔ ملت کے فدائی تو ملت کی بقا کے لیے اپنی جانیں قربانی کرتے رہے اور اہل غرض ملت دشمنی کے عوض دشمنوں سے دولت اور زمینیں حاصل کرتے رہے۔ اقبال کو اس بات پر فخر ہے کہ اس قومی زوال کے زمانے میں بھی وہ افرادِ ملت کے دلوں میں اخلاص و محبت اور آزادی کا جذبہ بیدار کرنے میں مصروف رہے۔

Marfat.com

تیسواں بند

(۳۰)

لطف مرنے میں ہے باقی، نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں
کتنے بے تاب ہیں جوہر مرے آئینے میں
کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں
اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں، وہ لالے ہی نہیں

مشکل الفاظ

خونِ جگر پینا: غم کھانا، ہر وقت کڑھتے رہنا۔
جوہرِ آئینہ: آئینے کی چمک دمک۔
گلِ لالہ: ایک سرخ پھول کا نام

مطلب

چونکہ مسلمان قوم وحدت، شان و شوکت اور اقتدار سے محروم ہو چکی ہے۔ اس لیے زندگی اور موت میں میرے لیے کوئی لطف باقی نہیں رہا۔ بس مجھے تو اب قوم کا غم کھانے اور خونِ جگر پینے ہی میں مزا آ رہا ہے۔ میرے آئینے (دل) میں کتنے ہی جوہر (انقلابی ولولے اور آتشیں جذبات) نمودار ہونے کے لیے بے چین ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ میرے سینے میں بے شمار ایسے ولولے موجود ہیں جو ظاہر ہونا چاہتے ہیں مگر مجھے افسوس ہے کہ اس گلستان (مسلمان قوم) میں میرے جذبات کو دیکھنے والے ہی نہیں رہے۔ حیف اب گلشن میں ایسے لالے (قوم کا غم کھانے والے افراد) موجود نہیں جو اپنے سینے میں

Marfat.com

تشریح

مندرجہ بالا شعروں میں علامہ اقبالؒ ملک اور قوم کے غم کو اپنی زندگی کی روح قرار دیتے ہیں۔ قوم و ملت جب عروج پر ہو تو اس وقت آدمی کو زندہ رہنے میں بھی مزا آتا ہے اور قوم و ملت پر اگر جان قربان کرنی پڑے تو مرنے میں بھی مزا آتا ہے لیکن یہ حالت جس میں مسلمان قوم گرفتار تھی ایسی تھی کہ اقبالؒ کے لیے ہر چیز بے مزہ اور بے کیف ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کو نہ تو بے عزتی کی زندگی پسند تھی اور نہ غلامی کی موت کیونکہ انسان کو زندگی میں اسی وقت ہی لطف آتا ہے جب ساری قوم کو عزت و آبرو کی زندگی حاصل ہو۔ قوم اگر محکوم ہو تو پھر کسی شخص کی بھی زندگی، زندگی نہیں رہتی۔ اجتماعی عظمت ہی وہ بنیاد ہے جس پر شخصی عظمت کا دارومدار ہوتا ہے۔ بقولِ اقبالؒ ؎

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

موجوں کی ساری بہار دریا کے اندر ہی ہوتی ہے۔ دریا سے الگ رہ کر کوئی موج باقی نہیں رہتی۔ موج جب دریا کے اندر ہی ہوتی ہے تو اسے اپنی فنا میں بھی لطف حاصل ہوتا ہے اور اپنی بقا میں بھی۔ اسی طرح کوئی فرد اپنی قوم سے جدا ہو کر کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ الگ رہے تو صحیح معنوں میں اس کی زندگی، زندگی کہلانے کے قابل نہیں ہوتی۔ اس بند کے آخری شعر میں بھی وہ اسی حقیقت اور اپنی دلی کیفیت کو بیان کر رہے ہیں کہ محکومی انسان کی آنکھیں بھی چھین لیتی ہے اور عقل و فہم بھی سلب کر لیتی ہے۔

اکتیسواں بند

(۳۱)

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں
پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں
عجمی خُم ہے تو کیا، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا، لَے تو حجازی ہے مری!

مشکل الفاظ

دل چاک ہونا: دل کے ٹکڑے ہونا۔
بلبل تنہا: اکیلا بلبل۔ نوا: آواز۔
بانگِ درا: (قافلے کی رخصت کے موقع پر بجائی جانے والی گھنٹی) کی آواز۔
عہد وفا: وفادار ہونے کا وعدہ۔
بادۂ دیرینہ: پرانی شراب۔
عجمی: غیر عرب، ایرانی، غیر اسلامی۔
خُم: شراب کا مٹکا۔ مے: شراب۔
حجازی: حجاز کے علاقے سے تعلق رکھنے والی مراد اسلامی۔
نغمہ: گیت مراد شاعری۔ لَے: سر، دھن۔

مطلب

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ تو اس تنہا بلبل (مراد شاعر) کی آواز سے دلوں کو چاک کر دے (دلوں کو متاثر کر دے) تاکہ سونے والوں کے دل اسی بانگ درا (میرے کلام) سے بیدار ہو جائیں۔ میں تجھ سے یہ تمنا کرتا ہوں کہ پھر اسلام کو ماننے والوں کے دل تیری وفاداری کے لیے زندہ ہو جائیں۔ میری یہ بھی دعا ہے کہ مسلمانوں کے دل پھر اسی پرانی شراب (اسلامی محبت) کے پیاسے ہو جائیں۔ اے خدا! اگرچہ میرا

Marfat.com

مکا (شاعری) عجمی انداز کا ضرور ہے مگر اس میں شراب (پیغام) تو خالصتاً حجازی (اسلامی) ہے۔ میرا نغمہ (شاعری) اردو زبان میں تو ہے مگر میرے نغمے کی لے (میری شاعری کے موضوعات اور خیالات) تو حجازی (اسلامی) ہے۔

تشریح

علامہ اقبالؒ ''شکوہ'' کے اس آخری بند میں خدا تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کے کلام میں اس قدر تاثیر پیدا کر دے کہ سننے اور پڑھنے والے خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنی بھولی ہوئی منزلِ مقصود کی طرف چل پڑیں۔ شاعر نے اپنے آپ کو اس بلبل سے تشبیہہ دی ہے جو تن تنہا باغ میں اپنی آواز بلند کر رہا ہو۔ اس کی شاعری وہ بانگِ درا ہے جسے سن کر قافلہ والے اپنی منزل کی طرف چلنے لگتے ہیں۔ وہ خدا سے یہ دُعا بھی کرتے ہیں کہ اس کے کلام کی بدولت لوگ پھر سے خدا کی اطاعت اور اسلامی تعلیمات سے عشق کرنے لگیں۔ آخر میں شاعر اس بات کا کھلم کھلا اعتراف کرتا ہے کہ اگرچہ اس کی شاعری کا خم بعض عجمی اور ہندی روایات کا حامل ہے تاہم اس کی شراب حجازِ مقدس سے تعلق رکھتی ہے۔ اس نے اردو اور فارسی میں شعر کہے ہیں لیکن ان اشعار کی بنیاد اسلامی تعلیمات اور اسلامی نظریات پر ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں ؎

نہ از ساقی نہ از پیانہ گفتم
حدیث عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکان اُمت
ترا با شوخیٔ رندانہ گفتم

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ

(بحمدہ تعالیٰ شکوہ کا اختتام)

Marfat.com

جوابِ شکوہ

از

علامہ محمد اقبال

ترجمہ، فرہنگ اور آسان شرح کے ساتھ

مولف

محمد شریف بقا

Marfat.com

جوابِ شکوہ

دِل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
قُدسی الاصل ہے، رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اُٹھتی ہے، گردُوں پہ گزر رکھتی ہے

عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
آسماں چیر گیا نالۂ بے باک مرا

پیرِ گردوں نے کہا سُن کے، کہیں ہے کوئی
بولے سیّارے، سرِ عرشِ بریں ہے کوئی
چاند کہتا تھا، نہیں! اہلِ زمیں ہے کوئی
کہکشاں کہتی تھی، پوشیدہ یہیں ہے کوئی

Marfat.com

کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھے جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا!

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا!
عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا!
تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا؟
آ گئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا؟

غافل آداب سے سکّانِ زمیں کیسے ہیں!
شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے
تھا جو مسجودِ ملائک، یہ وہی آدم ہے؟
عالمِ کیف ہے، دانائے رموزِ کم ہے
ہاں مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے

ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو!

Marfat.com

آئی آواز، غم انگیز ہے افسانہ ترا
اشکِ بے تاب سے لبریز ہے پیمانہ ترا
آسماں گیر ہُوا نعرۂ مستانہ ترا
کس قدر شوخ زباں ہے دلِ دیوانہ ترا!
شُکر شِکوے کو کِیا حُسنِ ادا سے تُو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تُو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دِکھلائیں کسے، رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے، جوہرِ قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی، یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہاتھ بے زور ہیں، اِلحاد سے دل خُوگر ہیں
اُمتی باعثِ رُسوائیِ پیغمبرؐ ہیں

Marfat.com

بُت شکن اُٹھ گئے، باقی جو رہے بُت گر ہیں
تھا براہیمؑ پدَر اور پسَر آزر ہیں
بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خُم بھی نئے
حرَمِ کعبہ نیا، بُت بھی نئے، تُم بھی نئے
وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا!
نازشِ موسمِ گُل لالۂ صحرائی تھا!
جو مسلمان تھا، اللہ کا سودائی تھا
کبھی محبوب تمھارا یہی ہرجائی تھا
کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کرلو
ملّتِ احمدِ مُرسَل کو مقامی کرلو!
کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے!
ہم سے کب پیار ہے! ہاں نیند تمھیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے
تمھی کہہ دو، یہی آئینِ وفاداری ہے؟

Marfat.com

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دُنیا میں کوئی فن، تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسُودہ، وہ خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اَسلاف کے مدفن، تم ہو

ہو نِکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مِل جائیں صنم پتھر کے؟

صفحۂ دہر سے باطل کو مِٹایا کس نے؟
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟

تھے تو آبا وہ تمھارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو!

Marfat.com

کیا کہا! بہرِ مسلماں ہے فقط وعدۂ حور
شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور
مُسلم آئیں ہُوا کافر تو ملے حور و قصور

تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے، موسیٰؑ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نُقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حَرَمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

کون ہے تارکِ آئینِ رسُولِ مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟

Marfat.com

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہو گئی کس کی نِگہ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں، رُوح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمھیں پاس نہیں

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا، تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمھارا، تو غریب
اُمَرا نشّۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملّتِ بیضا غُرَبا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں، رُوحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

Marfat.com

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود!
یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قوی، لوثِ مراعات سے پاک
شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے نم ناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستیِ فوق الادراک
خود گدازی نمِ کیفیتِ صہبایش بود
خالی از خویش شدن صورتِ مینایش بود

Marfat.com

ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا
اُس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا
جو بھروسا تھا اُسے قوّتِ بازو پر تھا
ہے تمھیں موت کا ڈر، اُس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا عِلم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدَر کیونکر ہو!

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

تم ہو آپس میں غضب ناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطا بیں، وہ خطا پوش و کریم

Marfat.com

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم!
تختِ فغفور بھی اُن کا تھا، سریرِ کَے بھی
یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیّت ہے بھی؟
خودکُشی شیوہ تمھارا، وہ غیور و خوددار
تم اُخُوّت سے گریزاں، وہ اُخُوّت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بہ کنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت اُن کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت اُن کی!
مثلِ انجم اُفُقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
بُتِ ہندی کی محبت میں برہمن بھی ہوئے
شوقِ پرواز میں مہجورِ نشیمن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں، دین سے بدظن بھی ہوئے

Marfat.com

ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا
لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا

قیس زحمت کشِ تنہائیِ صحرا نہ رہے
شہر کی کھائے ہَوا، بادیہ پیما نہ رہے
وہ تو دیوانہ ہے بستی میں رہے یا نہ رہے
یہ ضروری ہے حجابِ رُخِ لیلا نہ رہے!
گلۂ جَور نہ ہو، شکوۂ بیداد نہ ہو
عشق آزاد ہے، کیوں حُسن بھی آزاد نہ ہو

عہدِ نَو برق ہے، آتش زنِ ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کُہن ایندھن ہے
ملّتِ ختمِ رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

Marfat.com

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی
کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی
گُل بر انداز ہے خونِ شُہدا کی لالی

رنگ گردُوں کا ذرا دیکھ تو عُنّابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفُق تابی ہے!

اُمّتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں
اور محرومِ ثمر بھی ہیں، خزاں دیدہ بھی ہیں
سیکڑوں نخل ہیں، کاہیدہ بھی، بالیدہ بھی ہیں
سیکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں

نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا
تُو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

Marfat.com

قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا
غیرِ یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا
نخلِ شمع استی و در شعلہ دوَد ریشۂ تو
عاقبت سوز بوَد سایۂ اندیشۂ تو

تُو نہ مِٹ جائے گا ایران کے مِٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مِل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتیِ حق کا زمانے میں سہارا تُو ہے
عصرِ نَو رات ہے، دُھندلا سا ستارا تُو ہے

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا
غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تُو سمجھتا ہے، یہ ساماں ہے دل آزاری کا
امتحاں ہے ترے ایثار کا، خودداری کا

Marfat.com

کیوں ہراساں ہے صَہیلِ فرَسِ اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفَسِ اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

مثلِ بُو قید ہے غنچے میں، پریشاں ہوجا
رخت بر دوشِ ہوائے چَمنِستاں ہوجا
ہے تنک مایہ، تو ذرّے سے بیاباں ہوجا
نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہوجا!

قُوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کردے

Marfat.com

ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنّم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خُم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دُنیا میں نہ ہو، تُم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا اِستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظّارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ 'رَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ' دیکھے

مَردمِ چشمِ زمیں یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا

گرمیِ مہر کی پروَردہ ، ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا
تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری سپَر، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ماسِوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تُو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

Marfat.com

پہلا بند

(۱)

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
قُدسی الاصل ہے، رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اٹھتی ہے، گردوں پہ گزر رکھتی ہے
عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
آسماں چیر گیا نالۂ بے باک مرا

مشکل الفاظ

طاقتِ پرواز: اُڑنے کی طاقت۔
قُدسی الاصل: اپنی اصل کے لحاظ سے مقدس، بنیادی طور پر پاکیزہ، عالم قدس سے تعلق رکھنے والی۔
[illegible] گردوں: آسمان۔
فتنہ گر: فتنہ پیدا کرنے والا، ہنگامہ برپا کرنے والا۔

Marfat.com

سرکش: باغی۔ نالۂ بے باک: بے خوف فریاد۔

مطلب

جو بات دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے وہ اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اگرچہ اس کے پاس پر نہیں ہوتے تاہم اس میں اُڑنے کی طاقت ضرور موجود ہوتی ہے۔ اپنے اندر تاثیر رکھنے والی یہ بات چونکہ عالم قدس (پاکیزہ دنیا مراد عالم بالا) سے تعلق رکھتی ہے اس لیے اس کی نظر بلندی کی طرف ہی جاتی ہے۔ وہ مٹی سے بنی ہوئی دنیا سے اٹھتی تو ہے مگر وہ آسمان کی طرف جاتی ہے۔ یہ عشق کی بات ہے۔ میں نے جو شکایت کی تھی اس میں عشق کی تڑپ موجود تھی۔ عشق عموماً بڑا سرکش اور چالاک ہوتا ہے۔ اس لیے میرا یہ بے خوف شکوہ بھی آسمان کو چیر کر خدا کے پاس جا پہنچا۔

تشریح

اِس بند میں علامہ اقبالؒ نے اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ جو بات دل کی گہرائی سے نکلے۔ اس میں لازمی طور پر تاثیر اور سوز و گداز کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ جو بات صرف منہ سے نکلے اور اس میں دل اور دل کا خلوص شامل نہ ہو تو وہ بات کبھی اپنے سننے والوں کے دلوں کو متاثر نہیں کر سکتی اور نہ اس بات کی رسائی کبھی بارگاہِ خداوندی میں ہوتی ہے۔ فارسی میں ایک کہاوت ہے:

از دل خیزد، بر دل ریزد

جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دوسرے دل پر ضرور اپنا اثر ڈالتی ہے۔

اقبالؒ کو اس بات پر ناز ہے کہ انہوں نے خالق کائنات کی بارگاہ میں مسلمانوں کی حالت زار سے متعلق جو شکوہ کیا تھا وہ مکمل طور پر خلوص اور سوز و گداز کا حاصل تھا اسی لیے ان کا شکوہ آسمان کو چیرتا ہوا عرشِ خداوندی تک جا پہنچا۔

دوسرا بند

(۲)

پیرِ گردوں نے کہا سُن کے، کہیں ہے کوئی!
بولے سیارے، سرِ عرشِ بریں ہے کوئی!
چاند کہتا تھا، نہیں ، اہلِ زمیں ہے کوئی!
کہکشاں کہتی تھی، پوشیدہ یہیں ہے کوئی!
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھے جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا!

مشکل الفاظ

پیرِ گردوں: آسمان کا مرشد، پیرِ فلک زُحل کو کہتے ہیں۔
پیر: مرشد، ہادی، راہنما۔ سرِعرشِ بریں: عرشِ اعلیٰ پر۔
اہلِ زمیں: زمین والے، زمین پر رہنے والے۔
کہکشاں: ستاروں کا جھرمٹ۔ پوشیدہ: چھپا ہوا۔
رضواں: جنت کا داروغہ۔

مطلب

جب میرا شکوہ آسمان پر پہنچا تو پیرِ گردوں (بوڑھے آسمان) نے اسے سن کر کہا کہ یہاں کوئی ہے۔ ستارے کہنے لگے کہ کوئی عرش تک آ گیا ہے لیکن چاند نے ان سے اختلاف کرتے یہ کہا کہ یہاں کوئی زمینی مخلوق ہے۔ کہکشاں کہتی تھی کہ یہاں کوئی چھپا ہوا ہے۔ میرے شکوے کو صرف رضوان (جنت کا داروغہ) ہی سمجھ کیونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں جنت سے نکالے ہوئے انسان (آدمؑ) کی [illegible]

تشریح

اِن شعروں میں شاعرِ مشرقؒ نے ہم پر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ان کی دلسوز، پرتاثیر اور انوکھی شکایت جب خاکی دنیا کو چھوڑ کر عالمِ بالا میں پہنچی تو ہر طرف حیرت کا اظہار ہونے لگا۔ آسمان، سیارے، چاند اور کہکشاں سبھی حیران تھے کہ یہاں یہ شکایت آمیز آواز کہاں سے اور کیسے آ گئی۔ آسمان کی مخلوق تو ہر وقت خدا کی اطاعت اور حمد میں مصروف رہتی ہے اور وہاں خدا کی بارگاہ میں شکایت کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے وہاں یہ چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ یہ شکایت کی آواز کیسی ہے اور کس کی ہے۔

اقبالؒ کہتے ہیں کہ صرف رضوان ہی میرے شکوے کو سمجھ سکا کیونکہ وہ جس جنت کا داروغہ ہے اسی جنت سے آدم نکالے گئے تھے۔ وہ آدمؑ سے واقف تھا اور آدمؑ کی خصلت سے بھی آگاہ تھا جس کو اللہ نے سب کچھ سکھا دیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ آدمؑ سے لغزش ہوئی تھی اور پھر اس نے اللہ سے معافی مانگتے ہوئے کہا تھا:

> ”اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کیا ہے (ہم سے خطا سرزد ہوئی ہے) اگر تو ہمیں معاف نہ فرمائے گا تو ہم بڑے گھاٹے میں پڑ جائیں گے۔“

رضوان نے کہا ہو نہ ہو یہ وہی آدم زاد ہے۔

جنت سے آدمؑ کے خروج اور ہبوط کا واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے ان اشعار میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تیسرا بند

(۳)

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا!
عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا!
تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا؟
آ گئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا؟
غافل آداب سے سکّانِ زمیں کیسے ہیں!
شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

مشکل الفاظ

حیرت: حیرانی۔ راز کھلتا نہیں: راز ظاہر نہیں ہوتا۔
تا سرِ عرش: عرش کے سرے تک۔ تگ و تاز: بھاگ دوڑ، کوشش۔
سکانِ زمیں: زمیں پر رہنے والے، زمین کے ساکنان، ساکن (رہنے والا سکونت اختیار کرنے والا) کی جمع ہے۔
پستی کے مکیں: پستی کے رہنے والے، زمین پر رہنے والے مراد انسان۔

مطلب

میرا شکوہ سن کر فرشتے بھی حیران تھے۔ عرش پر رہنے والے یہ راز نہ سمجھ سکے کہ عرش پر یہ آواز کیسے آئی وہ آپس میں سوال کرنے لگے کہ کیا عرش پر بھی انسان کی تگ و دو ممکن ہے۔ کیا مٹی کا بنا ہوا انسان بھی آسمان پر کبھی پرواز کر سکتا ہے۔ مگر فرشتے سب سے زیادہ انسانوں کی اس شوخی اور گستاخی پر حیرت زدہ تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں شکوہ کر رہے ہیں۔ وہ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ [illegible] آداب سے بھی کتنے غافل ہیں۔

Marfat.com

تشریح

مندرجہ بالا اشعار میں بھی اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ شاعر کا شکوہ جب عرشِ بریں پر پہنچا تو چاند، ستاروں اور آسمان کی طرح فرشتے بھی حیران ہو گئے کہ عرش پر یہ آواز کیسی ہے۔ ان پر یہ راز واضح نہ ہوسکا کہ مٹی کا بنا ہوا انسان آسمان پر کس طرح پرواز کرسکتا ہے۔ کہاں خاک کا بنا ہوا انسان اور کہاں عرشِ اعلیٰ ۔

چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک

فرشتوں کو ایک تو اس بات پر حیرانی تھی کہ عرش پر یہ انسانی آواز کیسے آ گئی اور دو رے وہ اس امر پر بھی تعجب کر رہے تھے کہ انسان خدا کی بارگاہ میں شوخی اور گستاخی ۔ ساتھ شکایت کر رہا ہے۔ پستی کے مکینوں اور زمین کے باسیوں کی گستاخی فرشتے بھلا کب برداشت کر سکتے تھے کیونکہ وہ تو ہمیشہ سُبْحَانَ اللّٰہ اور لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کا ورد کرتے اور خدا کی فرماں برداری میں مشغول رہتے ہیں۔ کہاں فتنہ و فساد سے معمور د ا کا یہ انسان اور کہاں فرشتوں کی حمد و ثنا سے معمور آسمان۔ اس ظلوم و جہول انسان کا گزر وہاں کیسے ہو۔

حمد و ثنا، اطاعت گزاری، عاجزی اور تسلیم و رضا فرشتوں کے اوصاف ہیں لیکن خطاء و نسیان، تکبر، ظلم اور جہل انسانوں کا خاصہ ہیں۔ قرآن حکیم نے اسی لیے تو انسان کو "ظلوماً جھولاً" کہاں ہے۔ عاجزی اور ادب دانش مندی کی دلیل ہیں اور بے ادبی جہالت کا نشان ہے۔

چوتھا بند

(۴)

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے
تھا جو مسجودِ ملائک، یہ وہی آدم ہے؟
عالمِ کیف ہے، دانائے رموزِ کم ہے
ہاں مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے

Marfat.com

ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو!

مشکل الفاظ

برہم: ناراض۔ مسجودِ ملائک: جس کو فرشتوں نے سجدہ کیا ہو مراد آدمؑ۔
مسجود: جس کو سجدہ کیا گیا ہو۔
(قرآن حکیم میں ذکر آتا ہے کہ آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آدمؑ کے سامنے تعظیم کے لیے جھک جائیں۔ قرآن کی وہ آیت یہ ہے:)

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْس

جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کریں تو ابلیس کے سوا تمام فرشتے آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔

ملائک: مَلَک (فرشتہ) کی جمع۔
عالمِ کیف: چیزوں کی کیفیت کو جاننے والا، اشیاء کی حقیقت سے واقف۔
کیف: عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں کیسا۔ 'کیف' وہ شے ہے جو تقسیم قبول نہ کرے جیسے سیاہی، سفیدی، محبت وغیرہ۔ یہ کوالٹی (Qualit /) کو ظاہر کرتی ہے۔
دانائے رموزِ کم: کمیت کے اسرار کو جاننے والا، قابلِ تقسیم چیزوں کی اصلیت سے آگاہ۔
کم: عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کتنا۔ یہ لفظ چیزوں کی تعداد، مقدار اور پیمائش کو ظاہر کرتا ہے اور یہ لفظ چیزوں کی کمیت (Quantity) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
[illegible] بھاری۔

اسرار: راز، یہ لفظ سر (بھید، راز) کی جمع ہے۔
نامحرم: ناواقف۔
طاقتِ گفتار: بات چیت کرنے کی طاقت۔
سلیقہ: طریقہ۔

مطلب

میرا شکوہ سن کر تمام فرشتے حیرانی سے یہ پوچھنے لگے کہ یہ انسان اس قدر گستاخ ہے کہ اپنے خدا سے بھی ناراض ہے۔ کیا یہ اسی آدمؑ کی اولاد میں سے ہے جس کو ہم فرشتوں نے سجدہ کیا تھا؟ انسان یوں تو کائنات کی چیزوں کی کیفیت اور کمیت (مقدار) کے رازوں سے واقف ہے مگر وہ اس علم کے باوجود عاجزی اور انکساری کے بھیدوں سے آگاہ نہیں۔ انسانوں کو اپنی گفتگو کی قوت و صلاحیت پر بہت فخر ہے۔ لیکن ان نادانوں کو خدا کی بارگاہ میں ادب کے ساتھ بات کرنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا۔

تشریح

ان شعروں میں بھی بارگاہِ خداوندی میں انسان کی شوخی اور برہمی کا تذکرہ ہے۔ فرشتے شاعر کا شکوہ سن کر اس بات پر دنگ تھے کہ انسان ایک ناچیز اور حقیر مخلوق ہونے کے باوجود گستاخ اور اپنے خالق سے ناراض بھی نظر آتا ہے۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کیا یہ وہی آدم ہے جس کو ہم سب نے خدا کے حکم سے سجدہ کیا تھا۔ وہ اشیاء کے رازوں کا واقف تو معلوم ہوتا ہے لیکن وہ عجز و انکسار اور آداب کے اسرار سے نابلد دکھائی دیتا ہے۔ فرشتوں کو اس امر کا بے حد افسوس تھا کہ انسان کو اپنے علم و دانش اور قوتِ گفتار پر تو بہت ناز ہے مگر وہ اس قدر نادان ہے کہ اسے خدا کی بارگاہ میں بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔

Marfat.com

پانچواں بند

(۵)

آئی آواز، غم انگیز ہے افسانہ ترا
اشکِ بے تاب سے لبریز ہے پیمانہ ترا
آسماں گیر ہُوا نعرۂ مستانہ ترا
کس قدر شوخ زباں ہے دلِ دیوانہ ترا!
شکر شکوے کو کیا حُسنِ ادا سے تُو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تُو نے

مشکل الفاظ

غم انگیز: غم کو بڑھانے والا، غم پیدا کرنے والا، مغموم بنانے والا۔
افسانہ: کہانی۔
اشکِ بے تاب: بے چین آنسو، وہ آنسو جو بہنے کے لیے تیار ہو۔
لبریز: بھرا ہوا۔ پیمانہ: شراب پینے کا برتن
آسماں گیر: آسمان کو پکڑنے والا یعنی آسمان تک پہنچنے والا۔
نعرۂ مستانہ: مستی پیدا کرنے والا نعرہ۔ پرجوش نعرہ۔
شوخ زباں: جس کی زباں بہت تیز اور شوخ ہو، گستاخ۔
دلِ دیوانہ: عشق پرست دل۔
حسنِ ادا: کسی بات کو خوب صورت انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ، الفاظ کی ادائیگی کا حسن۔
ہم سخن کر دینا: بات چیت کرانا، ہم کلام کرنا۔

مطلب

[illegible] شکوہ سن کر خود عرشِ بریں سے یہ آواز آئی کہ اے شاعر! تیری

داستان بڑی غم ناک ہے اور تیرے پیمانے (آنکھوں) سے آنسو بہنے کے لیے بے چین ہیں۔ تیرا یہ مستانہ نعرہ تو آسمان تک آ پہنچا ہے اور سارے آسمان پر چھا گیا ہے۔ تیرا عشق پرست دل بہت شوخ دکھائی دیتا ہے۔ یہ تیری شاعری کا کمال ہے کہ تو نے اپنے شکوے کو اپنے بہترین اندازِ بیان کی بدولت شکریے میں تبدیل کر کے انسانوں کو خدا سے ہم کلام کر دیا ہے۔

تشریح

پہلے اشعار میں تو شاعر نے اپنے شکوے کے بارے میں اہلِ آسمان کی حیرت اور انسان کی گستاخی کے متعلق ان کے خیالات پر روشنی ڈالی تھی۔ اب وہ موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خود عرشِ بریں سے میرا یہ شکوہ سن کر غیب کی آواز آئی کہ:

"اے بندے! تیرا یہ شکوہ سوز و گداز اور عشق و مستی سے لبریز ہے۔"

وہ غیبی آواز شاعر کے کمالِ فن کی داد دیتے ہوئے کہتی ہے کہ:

"اے بندے! تو نے اپنے شاعرانہ کمال سے کام لے کر اپنے شکوہ کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اس میں احسان مندی اور شکر کے بڑے جذبات پنہاں ہیں۔"

چونکہ خدا تعالیٰ کو شکر بہت پسند ہے اس لیے کہا کہ اس شکوے کے ذریعے تو نے خدا اور اس کے بندوں کے درمیان گفتگو کرنے کا ایک حسین پہلو نکال لیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الشَّاکِرِیْن

بے شک اللہ شکر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس بند سے خدا اور شاعر کی گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ شاعر نے اپنے شکوے میں جو سوالات کیے تھے یہاں سے ان کے جوابات کا سلسلہ شروع ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کے عام مفروضات اور غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے شاعر کو اپنے حقیقی قوانین اور عادت سے روشناس کراتے ہیں۔

اِن اشعار میں شاعر بڑی خوب صورتی کے ساتھ اپنی شاعری کی عظمت کو بھی منوا گیا ہے اور اس نے خدا کے ساتھ بات کرنے کا جواز بھی پیش کر دیا ہے۔ اسے کہتے ہیں:

"دیوانہ بکار خویش ہشیار"
"دیوانہ اپنے کام میں بڑا ہوشیار ہے۔"

چھٹا بند

(۶)

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے، جوہرِ قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی، یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

مشکل الفاظ:

مائل بہ کرم: کرم کرنے پر مائل، مہربانی کرنے پر تیار۔
سائل: سوالی، سوال کرنے والا۔
منزل دکھانا: کی راستہ دکھانا۔
قابل: قابلیت رکھنے والا جوہر، قدرتی صلاحیت کا مالک۔
[illegible]

شانِ کئی: کے (کیانی خاندان) خاندان سے تعلق رکھنے والا، ایران کے چار قدیم بادشاہ، (کیخسرو، کیکاؤس، کیقباد اور کے لہراسپ) جن کے نام سے پہلے لفظ 'کے' آتا ہے۔

نئی دنیا: امریکہ بھی مراد ہو سکتا ہے جس کو کولمبس نے 1492ء میں دریافت کیا تھا۔

مطلب

اے شاعر! ہم تو ہر وقت انسانوں پر مہربانی کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں لیکن مسلمانوں میں اس وقت کوئی شخص بھی ہماری مہربانیوں کا خواہش مند نہیں۔ ہم کس کو زندگی کی صحیح راہ دکھلائیں کیونکہ تم میں سے کوئی بھی منزلِ مقصود کی طرف جانے کے لیے آمادہ دکھائی نہیں دیتا۔ ہماری تربیت تو عالمگیر ہے مگر مسلمانوں میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو ہماری تربیت کے اثر کو قبول کرنے کا جذبہ رکھتا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ وہ مٹی ہی نہیں جس سے آدم (انسان) کی تعمیر ہو۔ ہمارا تو یہ ہمیشہ دستور رہا ہے کہ ہم صلاحیت اور قابلیت رکھنے والوں کو شاہانہ ٹھاٹھ عطا کیا کرتے ہیں۔ ہم تلاش کرنے والوں کو نئی دنیا بھی دیتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ تلاش کرنے والا بھی ہو۔

تشریح

شاعر کا دل سوز شکوہ سن کر غیب سے جو آواز تھی وہ یہ کہتی ہے کہ ہم تو مسلمانوں پر اپنا فضل و کرم کرنے اور انہیں سیدھی راہ دکھلانے کے لیے تیار ہیں لیکن ان کے دلوں میں بچی تڑپ نہیں رہی اور قبولیت کا مادہ بھی غائب ہو چکا ہے۔ ہمارا فیض عام ہے اور ترقی کے اصول اب بھی موجود ہیں۔ اگر مسلمان ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو اس میں سراسر ان کا اپنا قصور ہے۔ ہمارا قانون ہے کہ جو لوگ ہمارے راستے کو پانے کی جدوجہد کرتے ہیں ہم انہیں اپنا راستہ ضرور

Marfat.com

دکھاتے ہیں۔

اس بند میں مسلمانوں کی کم ہمتی، بے عملی اور کاہلی کو خدائی فضل، عالمگیر نظامِ ربوبیت اور دنیاوی تسخیر کے راستے میں رکاوٹ قرار دیا گیا ہے۔ فارسی کی ضرب المثل ہے:

"جوئندہ یابندہ"

کسی چیز کی تلاش کرنے والا آخر کار اسے پا لیتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی

انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے۔

قدرت کے اس اٹل قانون کی رو سے اگر کسی چیز کے حصول کے لیے کوشش نہ کی جائے تو وہ خود بخود حاصل نہیں ہوگی۔ ہر انسان کو خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو اس کے عمل اور کوشش کے مطابق اس کو ضرور معاوضہ ملے گا۔ محض دعا سے کچھ نہیں ہوتا بقول شاعر

جو مانگنے کا طریقہ ہے اُس طرح مانگو
درِ کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

ساتواں بند

(۷)

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خُوگر ہیں
اُمّتی باعثِ رُسوائیِ پیغمبرؐ ہیں
بت شکن اٹھ گئے، باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں
بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خُم بھی نئے
حرمِ کعبہ نیا، بت بھی نئے، تم بھی نئے

Marfat.com

مشکل الفاظ

الحاد: بے دینی، کفر، دین اور مذہب سے بیزاری۔
خوگر: عادی
باعث رسوائی پیغمبرؐ: رسول کریم ﷺ کی بے حرمتی کا سبب۔
بت شکن: بتوں کو توڑنے والا، باطل کو ختم کرنے والا۔
بت گر: بت بنانے والا، باطل نظریات کا پرستار۔
براہیم: حضرت ابراہیمؑ۔ پسر: بیٹا
آزر: حضرت ابراہیمؑ کا باپ جو بت گر، بت فروش اور بتوں کا پجاری تھا۔
بادہ آشام: شراب پینے والا۔ بادہ: شراب۔
خم: شراب کا مٹکا۔ حرم کعبہ: کعبہ کی مقدس چار دیواری۔

مطلب

موجودہ دور کے مسلمان قوت و طاقت کے مالک بھی نہیں اور ان کے دل بے دینی کے عادی نظر آتے ہیں۔ رسول عربی ﷺ کے یہ اُمتی تو اپنی بداعمالی کی وجہ سے اپنے پیغمبر ﷺ کے لیے توہین کا باعث بن چکے ہیں۔ تمہارے اسلاف باطل کو ختم کرنے والے تھے مگر تم تو باطل نظریات اور غیر اسلامی افکار کے پجاری بن گئے ہو۔ تمہارے باپ دادا تو ابراہیمؑ کی طرح بت شکن تھے مگر تم آزر کی مانند بتوں کی پرستش کرنے والے ہو گئے ہو۔ آج نیا خم، نئی شراب اور نئے جوالوں کا دور ہے تو تم بھی نئی شراب، نئے بتوں اور نئے کعبہ کے متوالے بن گئے ہو۔

تشریح

اس شعر میں خداوند تعالیٰ شاعر کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں کہ موجودہ دور کے مسلمان سیاسی قوت سے تو محروم ہو چکے ہیں مگر وہ کفر و الحاد کے بھی عادی ہو گئے ہیں۔ اس بے عملی اور الحاد پرستی کے باعث ہی یہ لوگ آپ کو رسوا کر [illegible]

کا اُمتی خیال کرتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان میں خدا کی اطاعت اور رسول کریم ﷺ کی فرماں برداری کا جذبہ مفقود ہو گیا ہے؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ آج کے مسلمان اپنی غلط روش کی وجہ سے اپنے پیغمبر ﷺ کے لیے رسوائی کا سبب بن چکے ہیں حالانکہ ان کے اسلاف وہ تھے جو بتوں کو توڑنے والے، باطل کو مٹانے والے، حق کے متوالے اور اسلام کے شیدائی تھے؟ تمہارا موجودہ حال یہ ہے کہ تم دولت طاقت، اونچے عہدوں اور جاگیروں کے پرستار ہو گئے ہو ؎

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

آٹھواں بند

(۸)

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا
نازشِ موسمِ گل لالۂ صحرائی تھا
جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا
کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا
کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کر لو
ملتِ احمدِ مرسل کو مقامی کر لو

[illegible] کا سرمایہ، حسن کا سبب۔
[illegible] کے موسم کا [illegible]، بہار کے موسم کے لیے فخر۔
[illegible]
[illegible]

یکجائی: ہرجائی کی ضد، کسی ایک کا ساتھ دینے والا، کسی ایک جگہ میں محدود۔
عہد غلامی: غلامی کا وعدہ۔
ملت احمد مرسلؐ: حضرت محمد ﷺ کی اُمت۔
مقامی: کسی ایک مقام یا ملک سے متعلق۔

مطلب

کبھی وہ دن تھے جبکہ یہی مسلمان زمانے میں حسن و خوبی کا سبب تھا۔ یہی لالۂ صحرائی (مسلمان) بہار کے موسم کے لیے باعث فخر و ناز تھا (دنیا میں مسلمانوں کے وجود پر ناز کیا جاتا تھا کہ وہ بہترین خیالات اور بہترین اعمال کا مجموعہ ہیں)۔ گزشتہ زمانے میں مسلمان صرف خدا تعالیٰ کا عاشق ہوتا تھا اور کبھی یہی "ہرجائی" (خدا جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتا ہے) تمہارا محبوب ہوا کرتا تھا۔ اگر تم کو ہر جگہ حاضر و ناظر رہنے والے خدا (ہرجائی) سے پیار نہیں تو پھر تم کسی ایک جگہ رہنے والے خدا کی غلامی کا وعدہ کرلو اور احمد مرسل ﷺ کی ملت (جو ہمہ گیر و جہانگیر ہے) کو مقامی اور محدود بنالو۔ ہم سے تمہارا کیا واسطہ؟

تشریح

خدا کی طرف سے شاعر کو جو جواب ملا ہے وہ جتنا سادہ ہے اُتنا ہی گہرا ہے کہ کبھی وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمان کائنات کی زینت اور بہترین اخلاق کا پیکر خیال کیے جاتے تھے۔ دوست تو درکنار دشمن بھی ان کی اخلاقی عظمت اور ذہنی برتری کو تسلیم کرتے تھے۔ مسلمان واقعی خدا، اسلام اور خدا کے آخری رسول ﷺ سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ وہ اسلام کی خاطر ہر وقت اپنا تن من اور دھن قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ کیا آج کل کے مسلمان بھی ویسے ہیں؟

تمہارے اسلاف خدا کو "ہرجائی" ہی تصور کرتے تھے اور اس کا مفہوم یہ تھا کہ وہ حاضر و ناظر ہے، ہر جگہ موجود ہے، زمین و آسمان کو محیط ہے اور ساری

Marfat.com

کائنات اس کی ہے۔ اس لیے وہ بھی اپنے آپ کو آفاقی اور عالمگیر خیال کر کے ہر ملک کو اپنا ملک قرار دیتے تھے لیکن اب موجودہ زمانے میں مسلمان ملت اسلامیہ کو وطنیت کی بھینٹ چڑھا کر مقامی بنانے کی فکر میں ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اب اکثر و بیشتر مسلمان اپنے آپ کو اوّل و آخر مسلمان قرار دینے کی بجائے پاکستانی، افغانی، ایرانی، لبنانی، ترک اور عرب کہلوانے پر فخر کرنے لگے ہیں؟ وہ تصور ان کے ذہنوں سے نکل گیا ہے کہ "ہر ملک، ملک ماست کہ ملک خدائے ماست (دنیا کا ہر ملک، ہمارا ملک ہے کیونکہ وہ ہمارے خدا کا ملک ہے) اب تم اس محدودیت میں گرفتار رہو اور اس کے نتائج بھگتو، تمہارے اسلاف تو ایسے نہیں تھے۔

نواں بند

(۹)

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے!
ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمھیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے
تمھی کہہ دو، یہی آئینِ وفاداری ہے؟
قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

مشکل الفاظ

گراں: مشکل، بھاری۔ طبعِ آزاد: آزاد طبیعت۔
قیدِ رمضان: رمضان کے مہینے میں روزے رکھنے کی پابندی۔
[illegible] وفاداری کا اصول۔
[illegible] باہمی محبت۔

Marfat.com

محفل انجم: ستاروں کی محفل۔ انجم: (نجم کی جمع) ستارے۔

مطلب

اے مسلمانو! تم اب صبح کی نماز پڑھنے کے لیے صبح کی بیداری کو اپنے لیے بوجھ خیال کرتے ہو۔ تم کو اب ہم سے وہ پیار نہیں جو پہلے ہوا کرتا تھا۔ اگر تمہیں ہم سے واقعی محبت ہوتی تو تم ہماری عبادت پر صبح کی میٹھی نیند کو ترجیح نہ دیتے۔ تمہاری آزاد طبیعت اب رمضان المبارک کے دوران روزے رکھنے کی پابندی کو پسند نہیں کرتی۔ تم خود ہی بتاؤ کیا ہم سے وفاداری کا یہی اصول ہوتا ہے؟ یاد رکھو کہ مذہب کی تعلیمات پر عمل کیے بغیر نہ تو تم میں اجتماعیت کا رنگ پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی تمہاری قوم بن سکتی ہے۔ جس طرح ستاروں کی محفل کا دارومدار باہمی کشش پر ہے اسی طرح مذہب کے بغیر قوم جنم نہیں لے سکتی۔

تشریح

• خدا تعالیٰ کا جواب یہ بھی ہے کہ موجودہ مسلمان فکری اعتبار سے ہی نہیں بلکہ عملی اعتبار سے بھی کچھ اور ہو گئے ہیں۔ وہ اب اسلامی عبادات خصوصاً نماز اور رمضان المبارک کے روزوں کی پابندی سے بھی بھاگتے ہیں حالانکہ یہ دونوں اسلام کے بڑے ارکان ہیں۔ اسلام کی عظیم عمارت زیادہ تر کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد پر کھڑی ہے۔ کیا اسلام سے وفاداری، یہ تقاضا نہیں کرتی کہ مسلمان ذوق و شوق سے نماز اور روزے کی پابندی کریں۔ ہر گاہ مؤذن با آواز بلند اعلان کرتا ہے کہ:

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

نماز نیند سے بہتر ہے۔

مگر تمہیں نیند بہت پیاری ہے۔ تم مسلمانوں کو اگر واقعی ہم سے [illegible] محبت ہوتی تو پھر تم نیند کو چھوڑ کر ہماری عبادت کی طرف [illegible]

تمہارے ذہنوں کو اس قدر سہل انگار اور آزاد خیال بنا دیا ہے کہ تم اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے پھر بھی دعوائے وفاداری ہے۔ اسے تو آئینِ وفاداری نہیں کہتے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قوم کا دراصل مذہب ہی پر دارومدار ہوا کرتا ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں باہمی محبت اور اخوت کا شدید جذبہ بیدار کرتا ہے۔ ملک، نسب، رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی حدیں قوم کو محدود کرنے والی ہیں۔ اگر یہ جذبہ باہم نہ ہو تو سمجھ لو کہ ستاروں کی محفل بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ دین ہی تمہارا سب کچھ ہے۔ یہی اب تمہارا وطن ہے، یہی تمہارا نسب، تمہاری زبان، تمہارا رنگ اور یہی تمہارا جغرافیہ ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ۔

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

........●........

دسواں بند

(۱۰)

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ، وہ خرمن، تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو
ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

حلِ لغات

[illegible] کی مہارت، اپنا ہنر یا کمال۔

خرمن: کھلیان، غلے کا انبار۔
اسلاف: سلف کی جمع، وہ بزرگ جو فوت ہو چکے ہیں۔
مدفن: دفن ہونے کی جگہ، مزار، قبر۔
نکونام: نیک نام۔ صنم: پتھر۔

مطلب

موجودہ دور کے تمام مسلمان وہ ہیں جنہیں کوئی فن اور ہنر نہیں آتا۔ وہ لوگ ہو جن کو اپنے نشیمن کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔ تمہاری مثال اس خرمن کی ہے جس میں آکر بجلیاں بھی سرد ہو جاتی ہیں (تمہارے سینوں میں آتشیں جذبے اور انقلابی ولولے ٹھنڈے ہو چکے ہیں) تم لوگ اس قدر ذلیل ہو گئے ہو کہ تم اپنے بزرگوں کی قبروں کی تجارت کرنے سے نہیں چوکتے۔ چونکہ تم اپنے بڑوں کی قبروں کو فروخت کرکے بدنام ہو چکے ہو کیا تم پتھر کے بتوں کی پوجا سے باز رہ سکو گے؟

تشریح

خدا فرماتا ہے کہ موجودہ مسلمان یہ شکایت تو کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہیں لیکن وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ وہ خود کسی خاص فن یا ہنر میں مہارت نہیں رکھتے۔ ان کے دل گرم آرزوؤں اور انقلابی جذبات سے یکسر خالی ہیں۔ دورِ حاضر کے مسلمان اس قدر خود غرض اور نفس پرست بن چکے ہیں کہ انہیں صرف اپنے ذاتی مفاد سے محبت ہوتی ہے۔ نہ تو انہیں اپنے وطن عزیز کی کوئی پرواہ ہے اور نہ اسلاف کے نقش قدم پر چل کر نمایاں کارنامے سرانجام دینے کی فکر ہے۔

وہ مسلمان جو اپنے بزرگوں کی قبروں پر بیٹھ کر لوگوں کی کمائی پر گزر اوقات کرنے لگیں اور اپنے دنیاوی مقاصد کو ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے کے عادی ہو چکے ہوں کیا وہ پتھر کے بتوں کی بھی پوجا کرنے سے بھی باز رہ سکتے ہیں؟

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہم پر یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہو جائے گی کہ

Marfat.com

مسلمان خود تو کسی فن میں کمال حاصل نہیں کرتے لیکن وہ غیر مسلموں کی ترقی دیکھ کر کبھی اپنی تقدیر اور کبھی خدا کا شکوہ کرنے لگتے ہیں ۔

عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

قرآنِ حکیم تو بار بار ہمیں کائنات کی تسخیر اور علم و فن کے حصول کی تلقین کرتا ہے لیکن ہم خود کاہل اور سست بن چکے ہیں۔

حدیث میں حصولِ فن کی یوں ترغیب دی گئی تھی:

اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ

کسب کرنے والا خدا کا دوست ہے۔

گیارھواں بند

(11)

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟
تھے تو آبا وہ تمھارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو!

مشکل الفاظ

صفحۂ دہر: زمانے (کی کتاب) کا صفحہ، زمانے کے چہرے سے مراد [illegible]

[illegible] اور غلط اعمال۔

Marfat.com

نوعِ انساں: انسان کی قسم مراد انسان۔

جبیں: ماتھا، پیشانی۔

آباء: باپ دادا، بزرگ، آباء اب (باپ) کی جمع ہے۔

ہاتھ پہ ہاتھ دھرنا: بیکار بیٹھنا، کوئی کام نہ کرنا۔

منتظرِ فردا: آنے والے زمانے کا انتظار کرنے والا، موجودہ زمانے میں کچھ نہ کرنے والا لیکن مستقبل میں اچھے نتائج کی اُمید کرنے والا۔

مطلب

روئے زمین سے باطل کو مٹانے والے کون لوگ تھے؟ انسانوں کو کن مسلمانوں نے انسانی غلامی سے نجات دلائی تھی؟ میرے کعبے کو کن لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے آباد کیا تھا (سجدے کیے تھے)؟ میری پاکیزہ آسمانی کتاب یعنی قرآن کی کن لوگوں نے عزت اور حفاظت کی تھی؟ بیشک یہ تمام کارنامے تمہارے اسلاف نے سرانجام دیے تھے مگر تم نے خود کیا کیا ہے؟ تم مسلمان تو میری تعلیمات پر عمل کیے بغیر ہی میری رحمت اور میرے انعام و اکرام کی اُمید لگائے بیٹھے ہو۔

تشریح

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمانے سے باطل نظریات کو مٹانے، انسان کو دوسرے انسانوں کی غلامی سے نجات دلانے، خانہ کعبہ کو اپنے سجدوں سے آباد کرنے اور قرآن حکیم کی تعلیمات پر عامل ہونے کا کارنامہ تو تمہارے ہی آباء و اجداد نے انجام دیا تھا مگر موجودہ زمانے کے مسلمان فرزند تو انتہا کے بے عمل اور کاہل بن چکے ہیں اور ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے جنت کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمیں بتاؤ کہ ان کو کیا ملے گا اور کیسے ملے گا؟

تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام کے شیدائیوں نے ویسے تو ہر دور میں اسلام کو پھیلانے کے لیے قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں مگر نبی

Marfat.com

اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ تابعین اور تمام باعمل فرزندانِ توحید نے ساری دنیا میں کیا کیا کارنامے انجام دیئے۔ انہوں نے حق کی سربلندی اور انسانیت کے فروغ کے لیے کیسی کیسی خدمات انجام دیں۔ وہ سراپا حرکت اور مکمل طور پر خدا کے فرمانبردار تھے اس لیے اللہ نے بھی ان کو اپنی رحمتوں سے سرفراز کیا۔ انہوں نے خدا کے وعدوں کے مطابق اپنا صلہ دنیا میں بھی پایا اور عقبیٰ میں بھی پائیں گے۔ علامہ اقبالؒ کو اس بات کا گلہ ہے کہ موجودہ مسلمان عمل اور حرکت سے محروم ہو چکے ہیں۔ وہ پرانے اور نئے دور کے مسلمانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا

بارھواں بند

(۱۲)

کیا کہا؟ بہرِ مسلماں ہے فقط وعدۂ حور
شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور!
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور
تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے، موسیٰؑ ہی نہیں

مشکل الفاظ

[illegible] مسلماں: مسلمان کے لیے۔ فقط: صرف۔
[illegible] (نیک کردار مسلمان سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ
[illegible] ملیں گی)۔

بے جا: فضول، بے محل۔ شعور: سمجھ۔ عدل: انصاف۔
فاطرِ ہستی: زندگی کا پیدا کرنے والا، خدا تعالیٰ، خالق کائنات۔
ازل سے: ہمیشہ سے مراد آغازِ آفرینش سے۔
مسلم آئین ہوا کافر: کافر مسلمانوں کے آئین پر عامل ہوا (یعنی کافر لوگ تو اسلام کی پر عمل کر رہے ہیں۔
حور و قصور: حوریں اور محلات، قصور: قصر (محل) کی جمع۔
جلوۂ طور: طور پہاڑ کا جلوہ (طور پہاڑ پر حضرت موسیٰ ؑ کو خدا تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا۔

مطلب

اے بندے! تو نے شکایت کی ہے کہ ہم نے دنیا کی غیر مسلم قوموں کو تو یہاں اپنی نعمتوں سے نوازا۔ مسلمانوں سے فقط یہ وعدہ کیا ہے کہ انھیں جنت میں حوریں (برکتیں اور نعمتیں) ملیں گی۔ اے بشر تیری یہ شکایت درست نہیں ناروا شکوہ کرنے کے لیے بھی شعور لازمی ہوتا ہے۔ یاد رکھ کہ یہ ہمارا اصول جاری ہے کہ انصاف کیا جائے۔ غیر مسلموں نے اگر اسلام کے آئین (اسلامی اصول اور اسلامی تعلیمات) پر عمل کیا ہے تو انہیں ہمارے عدل و انصاف کے ثمرات مل گئے اور انھیں حوریں اور محلات (دنیا کی نعمتیں اور مادی آسائشیں) نصیب ہو گئے۔ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ تم میں تو کوئی حوروں (دنیاوی ترقی و عظمت) کا خواہش مند ہی نہیں۔ جلوۂ طور (خدائی فضل) تو اب بھی موجود ہے تم میں موسیٰ ؑ کی طرح کوئی اس کا طلبگار نہیں (اگر نہیں ہے تو پھر تجلی نہ ہونے کا شکوہ کیسا؟)

تشریح

علامہ اقبالؒ نے اپنی نظم "شکوہ" میں خدا تعالیٰ سے شکوہ کرتے ہوئے کہا تھا:

اور مسلماں کو فقط وعدۂ حور

اللہ تعالیٰ شاعر کی اس شکایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"عدل و انصاف ہمارا آئین اور ہمارا قانون ہے۔ ہم نے کائنات اور زندگی کے لیے جو عالمگیر قانون بنائے ہیں وہ ان سب انسانوں کی بہتری کے لیے ہیں۔ ہمارا قانون ہے کہ ہم اپنے آفاقی قوانین کسی خاص قوم کے لیے تبدیل نہیں کیا کرتے۔"

قرآن حکیم میں اعلان موجود ہے کہ:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلاً

تو کبھی اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں پائے گا۔

اگر غیر مسلم لوگ بھی قدرت کے بنائے ہوئے اصولوں کی پیروی کریں تو قدرت کے اصول ان کے لیے بھی وہی نتائج پیدا کریں گے جو مسلمانوں کے لیے کرتے رہیں گے۔ خدا کی نظر میں تمام مخلوقات برابر ہیں اس لیے اس کے آفاقی اصول سب کے لیے یکساں ہیں۔ اگر مسلمان بھی غیر مسلموں کی طرح دنیا میں ترقی، کامیابی اور عظمت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کو بھی ان اصولوں پر عمل کرنا چاہیے۔ قدرت کے وہ اٹل اصول تو اب بھی موجود ہیں لیکن موجودہ دور کے مسلمان ہی ان کے طالب نہیں رہے۔

......✹......

تیرہواں بند

(۱۳)

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک

ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک

حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک

Marfat.com

کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

مشکل الفاظ

منفعت: نفع، فائدہ۔ حرم پاک: خانہ کعبہ۔
کچھ بڑی بات تھی: کیا یہ کوئی مشکل بات تھی؟
فرقہ بندی: مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جانا۔
پنپنے کی باتیں: ترقی کرنے کے اصول

مطلب

مسلمان قوم کا نفع اور نقصان مشترکہ ہیں۔ مسلمان ایک خدا، ایک رسول ﷺ، ایک دین، ایک خانہ کعبہ اور ایک قرآن کے مالک ہیں۔ اس دینی وحدت کے مدنظر اگر دنیا کے تمام مسلمان بھی آپس میں ایک ہو جاتے تو یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ آج کل تمہارا یہ حال ہے کہ تم مسلمان مختلف فرقوں، ذاتوں اور گروہوں میں تقسیم ہو چکے ہو۔ تم خود ہی بتاؤ کہ زمانے میں ترقی کرنے کے یہی اصول ہوا کرتے ہیں؟

تشریح

اقبالؒ نے اپنی نظم "شکوہ" میں مسلمانوں کی حالت زار کو بیان کرتے ہوئے خدا تعالیٰ سے یہ شکوہ کیا تھا کہ وہ سیاسی، علمی، اقتصادی، تہذیبی، معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے دنیا کی دیگر قوموں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں تو خدا تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ مسلمان قوم اس وقت اتحاد اور باہمی محبت کے جذبات سے محروم ہو گئی ہے حالانکہ یہی وہ نظریہ توحید تھا جس کی وجہ سے وہ ایک خدا، ایک نبی ﷺ، ایک دین اور ایک آسمانی کتاب پر یقین رکھتے تھے اور وہ ساری دنیا میں ایک [illegible]

Marfat.com

تھے۔ اس وحدت نے ملت اسلامیہ کو غیر معمولی قوت اور عظمت بخشی تھی۔ اگر موجودہ مسلمان فرقہ پرستی اور مختلف ذاتوں میں تقسیم ہونے کے شیدائی نہ ہوتے تو وہ یقیناً آج بھی دنیا میں ترقی یافتہ اور معزز ہوتے۔

یہ بات ہندی مسلمانوں ہی پر صادق نہیں آئی جو ہندو تہذیب و تمدن کے اثرات کے تحت ہندوستان کے اندر مختلف برادریوں اور لاتعداد ذاتوں اور گوتوں میں تقسیم ہو کر قومی وحدت کھو چکے تھے بلکہ ساری دنیا میں اُمت مسلمہ نے غیروں کی برائیاں اپنا لیں اور اپنی بنیادی تعلیم چھوڑ کر قوت و عظمت سے محروم ہوتے چلے گئے۔ ہندوؤں نے انسانوں کو چار مختلف طبقوں (برہمن، کشتری، ویداور شودر) میں تقسیم کر کے انسانی مساوات و اُخوت کا مذاق اُڑایا تھا آج مسلمان بھی کہنے کو مسلمان ہیں لیکن وہ شادی بیاہ اور دیگر اہم مسائل میں اپنی برادری اور ذات کو اسلام پر ترجیح دینے کے عادی ہو چکے ہیں حالانکہ اسلام نے یہ بتایا تھا کہ:

كُلُّ مُؤْمِنٍ إِخْوَةٌ

سب مومن آپس میں بھائی ہیں۔

کیا یہ ہماری بدقسمتی نہیں کہ ملت اسلامیہ شیعہ، سنی، وہابی، دیوبندی، بریلوی، اہل قرآن، اہلحدیث اور دیگر مذہبی فرقوں میں بٹ کر باہمی دشمنی، تعصب، جہالت، خود غرضی اور دنیاوی ذلت کا شکار ہو چکی ہے۔

.......✦.......

...وال بند

(۱۴)

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟
...کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
...ں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
...کی طرزِ سلف سے بیزار؟

Marfat.com

قلب میں سوز نہیں، رُوح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمھیں پاس نہیں!

مشکل الفاظ

تارکِ آئینِ رسولِ مختار: رسول کریم ﷺ کے دستور (شریعت اسلامیہ) کو چھوڑنے والا، شیوۂ رسول ﷺ پر عمل نہ کرنے والا۔

تارک: ترک کرنے والا۔

آئین: دستور، طریقہ۔

مصلحت: موقع محل کا لحاظ رکھنا، ذاتی فائدے والی بات کو اختیار کرنا۔

معیار: کسوٹی (جس پر سونے کے کھرے اور کھوٹے ہونے کی پہچان کی جاتی ہے۔)

آنکھوں میں سمانا: دل کو بھانا، دل کو پسند ہونا، کشش کا باعث ہونا۔

شعارِ اغیار: غیروں کا طور طریقہ، دوسری قوموں کے اُصول، غیر مسلموں کی تہذیب۔

نگہ: نگاہ۔

طرزِ سلف: اپنے بزرگوں کا پرانا دستور، قدیم طرزِ زندگی، گزرے ہوئے مسلمانوں کا انداز۔

قلب: دل۔

پیغامِ محمدؐ: حضرت محمد ﷺ کا خدائی پیغام، خدا کی وحدت کا وہ پیغام جو رسول کریم ﷺ لے کر آئے تھے۔

مطلب

اے شکوہ کرنے والے شاعر! تو خود ہی بتا کہ آج کون لوگ میرے پیارے رسول ﷺ کے لائے ہوئے دستورِ حیات کو چھوڑ چکے ہیں؟ آج کس قوم کا

Marfat.com

یہ اُصول ہے کہ اپنی ذات کی بہتری اور فائدے کے لیے ہر کام کیا جائے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ موجودہ دور کے مسلمان اپنے اسلاف کے اسلامی طور طریقوں کو خیر باد کہہ کر غیر مسلموں کی تہذیب وتمدن کو اختیار کر چکے ہیں؟ آج کل مسلمانوں کے دل و دماغ میں اسلامی تعلیمات کا عشق نہیں اور نہ ہی انہیں میرے آخری پیغمبر ﷺ کے پیغام کا کوئی لحاظ ہے۔ اس لیے ان کے دل میں نہ تو سوز ہے اور نہ ہی روح میں کوئی احساس۔

تشریح

خدا تعالیٰ شاعرِ مشرق اور مفکر اسلام علامہ اقبالؒ کی محبت آمیز شکایت کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں نے اپنے ذاتی فائدے کے لیے غیر مسلموں کے کافرانہ اطوار اختیار تو کر لیے لیکن اپنے پیغمبر ﷺ کے اسوۂ حسنہ، اسلام کی تعلیمات اور اپنے بزرگوں کی پیروی کو ترک کر دیا۔ اگر ان کے دلوں میں اسلام کی تڑپ اور اپنی ملی ذمہ داریوں کا شدید احساس موجود ہوتا تو پھر وہ پیغامِ محمدی ﷺ کو چھوڑ کر غیروں کے دستورِ زندگی کو نہ اپناتے۔

مسلمانوں کے نام قرآن کا یہ پیغام تھا:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

اے مسلمانو! تم اپنے اللہ اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

قرآن میں ایک اور جگہ یوں ارشاد ہے:

[illegible] اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

اگر تم [illegible] اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تم ہی دنیا [illegible]

[illegible] ایمان لانے کا عملی تقاضا اطاعت ہے اور یہی اطاعت غلبہ و [illegible]

اگر ہم دنیا میں سربلند اور غالب نہیں تو اس کا صاف [illegible]

[illegible] میں ایمان اور اطاعت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر

رہے ہیں۔ قرآن کی تعمیل کرکے ماضی میں مسلمانوں نے ترقی کی اور وہ دنیا کے حاکم بھی بنے تھے لیکن ہم نے دوسری قوموں کے طور طریقے اور نظریات اپنائے اور ہم دنیا میں ذلیل اور پسماندہ ہو گئے۔

پندرھواں بند

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا، تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمھارا، تو غریب
اُمرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملّتِ بیضا غُرَبا کے دم سے

مشکل الفاظ

مساجد: مسجد کی جمع۔
صف آرا: صف کو سجانے والا، صف میں کھڑا ہونے والا۔
زحمت روزہ: روزہ رکھنے کی تکلیف۔
گوارا کرنا: برداشت کرنا، پردہ رکھنا۔
راز فاش نہ کرنا: بھید کو چھپانا۔
اُمراء: امیر کی جمع، امیر لوگ۔
نشۂ دولت: دولت کا نشہ (روپیہ پیسہ جمع کرنا بھی ایک طرح کا نشہ ہے جس میں انسان کو نیکی اور بدی کی تمیز نہیں رہتی۔)
روپے کا گھمنڈ: امیر ہونے کا خمار، ملت اسلامیہ۔
غربا: غریب کی جمع، غریب لوگ۔

Marfat.com

مطلب

آج کل حال یہ ہے کہ غریب لوگ ہی مسجدوں میں جا کر نماز کے لیے صف آرا ہوتے ہیں۔ غریب مسلمان ہی میرے حکم پر چلتے ہوئے رمضان شریف کے مہینے میں روزہ رکھنے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں دیکھو اگر کوئی میرا نام لیتا ہے تو صرف غریب مسلمان قوم کے عیبوں پر اگر کوئی پردہ ڈالتا ہے تو غریب۔ امیر لوگ تو اپنی دولت کے نشے میں چور اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ حقیقت میں ہمیں بھلا چکے ہیں۔ ملت اسلامیہ غریب مسلمانوں کی قربانی، حق پرستی اور اسلام کی محبت کی وجہ سے زندہ ہے۔

تشریح

اللہ کی طرف سے جوابِ شکوہ یہ ہے کہ تم خود بتاؤ کہ مسجدوں میں تمہیں کون نظر آتا ہے، روزے کون رکھتا ہے، ہمارا نام لینے والے کون لوگ ہیں، خود تمہارا پردہ کون رکھتا ہے؟ غریب لوگ ہی یہ خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ یہی غریب لوگ خدا اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس امیر مسلمانوں کی دولت پرستی، خود غرضی، ملت فروشی اور اسلام سے بے نیازی بھی تم خود دیکھ سکتے ہو۔ ان کے عیوب پر اگر پردہ پڑا رہتا ہے تو غریب مسلمانوں کی وجہ سے۔

مندرجہ بالا بند میں غریب مسلمانوں کی اسلام پرستی اور دینی لگاؤ کی تعریف اور سرمایہ پرست مسلمانوں کی اسلام سے لاپروائی کی مذمت کی گئی ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دی تو زیادہ غریب مسلمانوں ہی نے ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام کو قبول کیا۔ اسلام چونکہ بے نواؤں، غریبوں، مظلوموں اور زیرِ دستوں کو ان کے جائز حقوق دلوانے اور انھیں انسانوں کی غلامی اور لوٹ کھسوٹ سے نجات دلانے کے لیے آیا اس لیے ان لوگوں نے فوراً اسلام کی انقلابی تعلیمات کو قبول کرلیا۔ اس کے

Marfat.com

برعکس مالدار لوگ اور قبائلی سردار اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے دشمن ہو گئے۔ حضورﷺ نے فرمایا ہے:

اَلْاِسْلَامُ بَدَا غَرِیْبًا فَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا

اسلام کا آغاز غریبوں سے ہوا اور وہ غریبوں ہی پر ختم ہوگا۔

آج بھی غریب لوگ ہی زیادہ تر اسلامی عبادات سے لگاؤ رکھتے ہیں۔

سولہواں بند

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برقِ طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں، رُوحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

مشکل الفاظ

واعظِ قوم: قوم کو وعظ ونصیحت کرنے والا۔

پختہ خیالی: پختہ خیالات رکھنا۔

برقِ طبعی: بجلی کی مانند طبیعت رکھنا، انقلابی مزاج، بلا کی ذہانت۔

شعلہ مقالی: شعلے کی طرح گفتگو کرنا، تیز رفتاری، گرما گرم بات، دھواں دار تقریر، پرجوش کلام۔

رسمِ اذاں: اذان دینے کی رسم۔

روحِ بلالی: حضرت بلالؓ کی طرح اسلام اور رسول کریم [illegible] رکھنا، اسلامی تعلیمات سے شدید عشق رکھنے کی صفت، [illegible]

تلقین غزالیؒ: امام غزالیؒ نے اپنی کتابوں خاص طور پر کیمیائے سعادت اور ''تہافتہ الفلاسفہ'' (فلسفیوں کی بے ربط گفتگو) میں مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اسلام کو یونانی فلسفہ کی بجائے اسلامی نقطہ نظر اور صوفیانہ نگاہ سے دیکھا کریں کیونکہ فلسفہ کے ذریعے ہم خدا اور دیگر عظیم حقیقتوں کو نہیں پاسکتے...... عشق اسلام کا پیغام۔

مرثیہ خواں: مرثیہ پڑھنے والا۔

مرثیہ: کسی کی موت کے بارے میں جو نظم کہی جاتی ہے اسے مرثیہ کہتے ہیں۔ رونا، دھونا اور بین کرنا بھی مرثیہ کہلاتا ہے۔

صاحب اوصاف حجازی: حجازی یعنی اسلامی صفات کے مالک، اسلامی خوبیاں رکھنے والے۔

مطلب

آج مسلمان قوم کے واعظوں کے وعظ و نصیحت میں بھی پختہ خیالات انقلابی جذبات اور پراثر بیانات باقی نہیں ہیں۔ مسجدوں میں اذانیں بھی ہوتی ہیں مگر اذان دینے والوں کے دلوں میں موذنِ مسجد نبوی حضرت بلالؓ جیسا خلوص باقی نہیں۔ مسلمانوں کو فلسفہ اور منطق کی تعلیم تو دی جاتی ہے مگر ان کا فلسفہ تلقین غزالیؒ (اسلامی تعلیمات کا عشق) سے محروم ہے۔ مسجدوں میں نمازیں تو اب بھی ہوتی ہیں مگر وہ یہ فریاد کر رہی ہیں کہ ان میں اسلامی خوبیاں رکھنے والے نمازی نہیں ہیں جن میں پرانے دور کے حجازیوں جیسے اوصاف ہوں۔

تشریح

ان اشعار میں مسلمان واعظوں، مقرروں، موذنوں، نمازیوں اور فلسفیوں [illegible] کا مرثیہ شکوہ کا جواب دیتے ہوئے پیش کیا ہے کہ مسلمان قوم کو [illegible] والوں کو جیسا ہونا چاہیے ویسے نہیں ہیں۔ نہ ان میں ذہانت

ہے نہ شعلہ بیانی نہ ان کے خیالات میں پختگی ہے اور نہ ہی ان کے دلوں میں سوز و گداز باقی ہے۔ کیا یہ ہماری بدقسمتی نہیں کہ آج اذان دینے کی رسم تو موجود ہے لیکن اذان دینے والوں کے دل میں اسلام کا عشق نہیں رہا؟ بہترین اور کامیاب واعظ اور مقرر کی تقریر تین نمایاں خصوصیات مثلاً بلند خیالی، اعلیٰ ذہانت اور جوشِ کلام کی حامل ہونی چاہیے۔ اسی طرح جو فلسفہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں وہ بھی ہمارے لیے قابل قبول نہیں۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتابوں خصوصاً احیاء العلوم، اور ''تہافتہ الفلاسفۃ'' میں مسلمانوں کو یہ تلقین کی تھی کہ وہ فلسفہ کو یونانی مفکرین کے نظریات کی روشنی میں دیکھنے کی بجائے اسلامی تعلیمات کے مطابق پرکھیں۔ کیا یہ درست نہیں کہ آج اسلام کو کانٹ، ہیگل، ارسطو، افلاطون، نطشے اور کارل مارکس کے نظریات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے؟ یہ بات بھی قابل افسوس ہے کہ آج کل مسجدوں میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والے نمازیوں کی شدید کمی ہے۔

سترہواں بند

(۱۷)

شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ ، تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود!
یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

مشکل الفاظ

نابود ہونا: مٹ جانا۔ وضع: طور طریقہ، شکل۔

Marfat.com

نصارٰی: عیسائی لوگ۔ تمدن: رہنا سہنا، بود و باش کے طریقے۔
ہنود: ہندو لوگ۔ ہنود: ہندو کی جمع ہے۔
یہود: یہودی لوگ۔

مطلب

آج کل تو یہ شور برپا ہے کہ جن لوگوں کو "مسلمان" کہا جاتا ہے وہ دنیا سے نابود ہو چکے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلمان کہاں تھے جن کے مٹ جانے کا شور بپا ہے۔ کیا انہی کو مسلمان تصور کیا جاتا ہے۔ ذرا اپنے آپ کو دیکھو تو سہی کہ شکل و صورت کے لحاظ سے تم عیسائی نظر آتے ہو اور تمہارا رہن سہن ایسا ہے کہ جس کو دیکھ کر تم پر ہندو ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ تمہارے اطوار ایسے ہیں کہ ان کو دیکھ کر یہودی بھی شرماتے ہیں جو دنیا میں بدنام ترین قوم ہیں۔ تم ظاہری نمود اور جھوٹی عظمت کے اس قدر فریفتہ ہو کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے کی بجائے سید، مرزا اور افغان کہے جانے پر فخر کرتے ہو۔ یعنی تم سب کچھ ہو لیکن حقیقی مسلمان نہیں ہو۔

تشریح

مندرجہ بالا بند میں کہا گیا ہے کہ دنیا میں ایک ہنگامہ برپا ہے کہ مسلمان تباہ و برباد ہو گئے اور وہ مٹ گئے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کہیں حقیقی مسلمان موجود بھی تھے۔ اگر وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہوتے تو وہ ہرگز نہیں مٹ سکتے تھے۔ دورِ حاضر کے مسلمان تو شکل و صورت کے لحاظ سے عیسائی طرزِ معاشرت کی بناء پر ہندو اور کاروبار کے غلط اصولوں کی روشنی میں یہودی نظر آتے ہیں۔ اگر وہ سچے مسلمان ہوتے تو اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات پر پختہ یقین رکھتے اور ان پر عمل کرتے۔ اپنی [illegible] معاشی اور اخلاقی زندگی میں اسلام کے اصولوں کی پیروی کرتے [illegible] کہ وہ مسلمان ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ

عیسائیوں، ہندوؤں اور یہودیوں کے طور طریقے اختیار کر چکے ہیں۔

قرآن حکیم نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا:

اُدْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَافَّةً

اے مسلمانو! تم مکمل طور پر اسلام کو اپناؤ۔

اسلام جب زندگی کا مکمل نظام ہے تو پھر دوسروں کی معاشرت، تہذیب، تمدن، فلسفیانہ نظریات اور اقتصادی تصورات کو اپنانے کے کیا معنی؟ اس صورت حال سے صرف دو ہی منطقی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱- اگر ہم اسلام کو ہمہ گیر نظامِ حیات تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کی عملی حیثیت پر ہمارا پختہ ایمان نہیں۔ اس لیے ہم اس پر عمل کرنے سے گریزاں ہیں۔ بہرحال ہم خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کو ہم سے یہ بھی شکوہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو سید، مرزا اور افغان وغیرہ کہلوانے پر تو فخر کرتے ہیں لیکن مسلمان کہلوانے سے شرماتے ہیں۔ اگر وہ مٹ رہے ہوں تو وہ سید، مرزا اور افغان وغیرہ مٹ رہے ہوں گے۔ سچے مسلمان کہاں ہیں جن کے مٹ جانے کا شور مچا ہوا ہے۔

۲- چونکہ ہم اسلام کو زندگی کا مکمل ضابطہ تصور نہیں کرتے اسی لیے ہم دوسروں کی نقالی کرتے ہیں۔

اٹھارہواں بند

(۱۸)

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قوی، لوثِ مراعات سے پاک

شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے نم ناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستیِ فوق الادراک
خود گدازی نمِ کیفیتِ صہبالیش بود
خالی از خویش شدن صورتِ مینالیش بود

مشکل الفاظ

دمِ تقریر: تقریر کرنے کے وقت، گفتگو کے دوران۔
صداقت: سچائی۔ بے باک: نڈر، بے خوف
عدل: انصاف۔ قوی: مضبوط۔
لوثِ مراعات: اپنوں کو رعایتیں دینے کی آلودگی، ناجائز نوازشیں، اپنے رشتہ داروں کو نوازنے کی عادت، کنبہ پروری۔
شجرِ فطرتِ مسلم: مسلمانوں کی فطرت کا درخت۔
نمناک: نمی سے بھرا ہوا، بھیگا ہوا۔
شجاعت: بہادری۔
ہستیِ فوق الادراک: سمجھ سے بالاتر شخصیت، سمجھ میں نہ آنے والی ہستی، وہ ہستی جس کو آسانی سے نہ سمجھا جاسکے۔
مراعات: رعایت کی جمع۔
لوث: ملاوٹ، آمیزش۔
خود گدازی: خود پگھلنا۔
نمِ کیفیتِ صہبائش: ان کی شراب کی کیفیت کی نمی۔
بود: تھی۔
خالی از خویش شدن: اپنی ذات سے خالی ہونا۔
[illegible] صراحی کی مانند۔

مطلب

پرانے مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ وہ بڑی بے باکی کے ساتھ اپنی گفتگو میں سچی باتوں کو بیان کیا کرتے تھے۔ ان کا انصاف اس قدر مضبوط ہوتا تھا کہ وہ کبھی اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ بے جا رعایت نہیں کرتے تھے۔ پرانے مسلمانوں کی فطرت کا درخت حیا کی نمی سے شاداب ہوتا تھا (حیا مسلمانوں کی فطرت کا لازمی حصہ ہوا کرتی تھی) ان کی بہادری کے کارناموں نے ان کو سمجھ میں نہ آنے والی ہستی بنا دیا تھا۔ مسلمان میں شراب کی طرح خود گدازی کی کیفیت تھی اور شراب کی صراحی کی مانند ہمیشہ اپنے آپ کو خالی کرتے رہنا اس کی صفت تھی (وہ خود گھلتا تھا اور دوسروں کو آسودگی بخشتا تھا۔)

تشریح

اس بند میں پہلے زمانے کے مسلمانوں کی چند نمایاں ترین خوبیوں مثلاً حق گوئی، بے باکی، عدل و انصاف، بے غرضی، حیاداری، بہادری، خدمت خلق اور ایثار کا تذکرہ ہے۔ ان کی گفتگو خواہ مسلمانوں کے لیے ہوتی خواہ غیروں سے، اس میں ہمیشہ سچائی اور بے باکی ہوتی تھی۔ وہ جابر بادشاہوں اور متکبر حاکموں کے سامنے بھی سچی بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ سچائی کی طرح ان مسلمانوں کی عدل پروری بھی ضرب المثل تھی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ

حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔

مسلمانوں کے کردار کی یہ خوبی بھی قابل تعریف ہے۔

مسلمان جب ایران پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے ایک موقع پر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک دریا پار کیا تو ایرانی فوجی یہ حیرت انگیز بہادری دیکھ کر کہنے لگے تھے:

Marfat.com

دیواں آمدند، دیواں آمدند۔
یہ آدمی نہیں دیو ہیں۔
یہ بہادر مسلمان تھے تو آدمی ہی مگر ان کے کارنامے دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہیں۔

اُنیسواں بند

(۱۹)

ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا
اُس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا
جو بھروسا تھا اُسے قُوّتِ بازو پر تھا
ہے تمھیں موت کا ڈر، اُس کو خدا کا ڈر تھا
باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر اَزبر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو!

مشکل الفاظ

رگِ باطل: باطل کی رگ، کفر کی رگ۔
آئینۂ ہستی: زندگی کا آئینہ۔ جوہر: خوبی، آئینے کا صیقل۔
قوتِ بازو: بازو کی طاقت۔
ازبر ہونا: زبانی یاد ہونا۔ پسر: بیٹا۔
قابلِ میراثِ پدر: باپ کی موت کے بعد اس کی جائیداد کا مالک ہونے [illegible] کے قابل۔
[illegible] کسی کا باپ اپنی موت کے بعد اپنی اولاد کے لیے [illegible]

مطلب

پرانے زمانے میں ہر مسلمان باطل کی رگ کے لیے نشتر کا کام کرتا تھا (باطل کا خاتمہ کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔) اس کی زندگی کے آئینے کا جوہر عمل تھا۔ (اس کی تمام زندگی عمل پر دارومدار رکھتی تھی)۔ کفر کی طاقتوں کا مقابلہ کرتے وقت اسے اپنے بازو کی قوت پر بھروسا تھا۔ تم موت سے ڈرتے ہو لیکن اس کے دل میں صرف خدا کا ڈر تھا۔ اگر بیٹے کو اپنے باپ کا عمل اچھی طرح یاد نہ ہو تو پھر بیٹا اپنے باپ کی وراثت کا اہل نہیں (چونکہ تمہارے اندر اپنے اسلاف کی خوبیاں نہیں پائی جاتیں اور تم ان کی طرح حکومت، قیادت، دنیاوی دولت اور عزت کے وارث کیسے ہو سکتے ہو؟)

تشریح

اس بند میں بھی قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی باطل شکنی، عمل پرستی، خود اعتمادی، خدا پر توکل اور موت سے بے نیازی جیسی اعلیٰ خوبیوں کی تعریف کی گئی ہے۔ پہلے دور کے مسلمانوں کی ہمیشہ یہی خواہش ہوا کرتی تھی کہ وہ غیر اسلامی نظامِ حیات اور غلط نظریات کی جگہ اسلام کے سچے اصولوں کو فروغ دے سکیں۔ اس مقصد کے لیے انہیں اپنی، زبان، ہاتھ، روپے اور جان سے بھی کام لینا پڑتا تھا۔ اگر ان بزرگوں کے پاس عمل کی دولت نہ ہوتی تو وہ ہرگز رگِ باطل کے لیے نشتر نہ بن سکتے تھے۔ باطل کو مٹانے کے لیے انہیں کئی بار غیر مسلموں سے جنگیں بھی لڑنی پڑیں۔ لیکن وہ کبھی موت سے نہ ڈرے۔ جب قوم کو یہ نظریہ دیا گیا ہو کہ خدا کی راہ میں مرنا دراصل ابدی زندگی حاصل کرنا ہے تو وہ قوم یقیناً موت سے خوف زدہ نہ ہوگی بلکہ وہ اس کی خواہش مند ہوگی۔ اس کے برعکس جس قوم کے افراد دنیا کی لذتوں کے شیدائی ہوں گے وہ لازمی طور پر موت سے گھبرائیں گے۔ نہ صرف اسلام کی تعلیم کا اثر تھا کہ مسلمان ہمیشہ شہادت کے طلبگار رہے۔

Marfat.com

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

علاوہ ازیں اپنے اعمال میں ہمیشہ خدا پر توکل کرنا بھی ان مسلمانوں کا شیوہ تھا۔ قرآن نے انہیں یہ تعلیم دی ہے:

اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ.

اے مسلمان! جب تو کسی کام کو کرنے کا پکا ارادہ کرے تو پھر تو اللہ پر بھروسہ رکھ۔

خدا پر بھروسہ رکھنے سے پہلے عزمِ راسخ اور عمل کا درس دیا گیا ہے۔ موجودہ دور کے مسلمان اگر اپنے آباؤ اجداد کی ان خوبیوں کے مالک نہیں تو پھر وہ ان جیسی شان و شوکت کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟

بیسواں بند

(۲۰)

ہر کوئی مستِ مَئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اَسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟
وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

حلِ الفاظ

مستِ مئے ذوقِ تن آسانی: کاہلی کے ذوق کی شراب میں مست مراد سب آرام کام چور۔

انداز مسلمانی: مسلمان ہونے کا طریقہ، مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کرنے کا انداز۔

حیدری فقر: حضرت علی حیدر کرار سے تعلق رکھنے والا فقر، حضرت علیؓ کی درویشی و قناعت، حضرت علیؓ کی طرح اپنی قناعت پر ناز کرنا۔ حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے اور وہ اسلام کے چوتھے خلیفہ تھے۔ یہاں ان کی قناعت پسندی اور درویشانہ زندگی کی طرف اشارہ ہے۔

دولت عثمانی: حضرت عثمانؓ کی دولت، اسلام کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ غنی اور بڑے تاجر تھے۔ وہ اپنی دولت مندی کی وجہ سے مشہور تھے۔

اسلاف: گزرے ہوئے لوگ، اسلاف، سلف کی جمع ہے۔

نسبت روحانی: روحانی تعلق، حقیقی تعلق۔

خوار: ذلیل، رسوا۔

تارکِ قرآں: قرآن کو ترک کرنے والا، قرآن کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے والا۔

مطلب

تم میں سے ہر ایک آج کل تن آسانی کے ذوق کی شراب کا متوالا ہے (تم سب آرام طلب اور کاہل بن چکے ہو) تم خود ہی انصاف سے کہو کیا مسلمان ہونے کا یہ صحیح طریقہ ہے؟ تم میں نہ تو حضرت علیؓ کی طرح قناعت پسندی پائی جاتی ہے اور نہ ہی تمہارے پاس حضرت عثمانؓ جیسی دولت ہے۔ ان حالات کے تحت تم کو اپنے بزرگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔ پہلے زمانے کے مسلمان سچے مسلمان ہونے کی وجہ سے دنیا میں معزز تھے لیکن تم نے قرآن حکیم کو چھوڑا اور آج زمانے میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

Marfat.com

تشریح

ان اشعار میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملا کہ آج کل کے مسلمان بے عمل، تن آسان اور ناکارہ ہو چکے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام اور بے عملی دو متضاد چیزیں ہیں۔ پہلے زمانے کے مسلمانوں نے اپنے مسلسل عمل اور جفاکشی کی وجہ سے نہ صرف سیاسی برتری حاصل کر لی تھی بلکہ انہوں نے اسلامی تہذیب، اسلامی اخلاق و معاش اور اسلامی قوانینِ حیات کو فروغ دے کر انسانیت کو بلند کیا تھا۔ اگر وہ کاہل اور سست ہوتے تو کبھی یہ نمایاں خدمات سرانجام نہ دے سکتے تھے۔ دورِ حاضر کے مسلمانوں کو اپنے باعمل اور جفاکش بزرگوں سے بھلا کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ ان کے پاس تو نہ دنیاوی دولت ہی ہے اور نہ حیدری فقر۔ پرانے دور کے مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کر کے زمانے میں دولت، عزت اور حکومت کے مالک بنے تھے اور نئے زمانے کے مسلمان قرآنِ حکیم کی تعلیم کو چھوڑ کر ہر چیز سے محروم اور ذلیل و خوار ہوئے ہیں۔ لہٰذا اقبالؒ ہی کی زبان میں یہ کہنا پڑتا ہے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

اے مسلمان! اگر تو اسلامی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو پھر یہ قرآن پر عمل کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اکیسواں بند

(۲۱)

[illegible] ہو آپس میں غضب ناک، وہ آپس میں رحیم
[illegible] وہ خطا پوش و کریم

Marfat.com

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم!
تختِ فغفور بھی اُن کا تھا، سریرِ کَے بھی
یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی؟

مشکل الفاظ

غضب ناک: ناراض۔ رحیم: مہربان۔
خطا کار: گنہگار، غلطی کرنے والا۔
خطا بیں: دوسروں کی غلطیوں کو دیکھنے والا، دوسروں کے عیب تلاش کرنے والا۔
خطا پوش: دوسروں کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے والا، دوسروں کی خطاء کو نظر انداز کرنے والا۔
اَوجِ ثریا پہ مقیم: ثریا کی بلدی پر قیام کرنے والا مراد بلندیوں پر پہنچنے والا۔
ثریا: آسمان پر ستاروں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس کو عقد ثریا بھی کہتے ہیں اور پروین بھی۔
قلب سلیم: صحت مند اور تربیت یافتہ دل۔
تخت فغفور: فغفور (بادشاہ چین) کا تخت۔
سریر کے: کیانی بادشاہوں کا تخت، ایران کے قدیم بادشاہوں...... (کیکاؤس، کیقباد، کیخسرو اور کے لہراسپ) کا تخت۔
حمیت: غیرت۔

مطلب

تم تو آپس ہی میں ناراض رہتے ہو کیوں تمہارے بزرگ ایک دوسرے پر

Marfat.com

بڑے مہربان اور شفیق تھے۔ گنہگاری اور دوسروں کے عیب کی تلاش تمہارا طریق بن چکا ہے۔ اس کے برعکس پہلے زمانے کے مسلمان ایک دوسرے کے عیبوں کو چھپانے اور مہربانی کرنے کے عادی تھے۔ تم سب ثریا کی بلندی پر پہنچنے کی خواہش تو رکھتے ہو لیکن تمہارے دلوں میں نیکی اور سلامتی موجود نہیں۔ تمہارے اسلاف فغفوری اور کیانی بادشاہوں کے تخت کے مالک بن گئے تھے مگر تم یونہی باتیں بناتے رہتے ہو۔ کیا تم میں اپنے اسلاف جیسی غیرت بھی موجود ہے کہ نہیں۔

تشریح

اس بند میں قدیم اور جدید دور کے مسلمانوں کا مقابلہ و موازنہ ہے جس سے معلوم ہو کہ ہمارے اسلاف کن خوبیوں کی وجہ سے شان و عظمت کے مالک بنے اور ہم کن برائیوں کے سبب دنیا میں پست ہوئے اور ترقیوں سے محروم رہے۔ پرانے دور کے مسلمانوں کی ایک بڑی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے پر بہت مہربان ہوتے اور آپس کی غلطیوں کو معاف کر دیا کرتے تھے ۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

اس کے برعکس دورِ حاضر کے مسلمان بات بات پر ایک دوسرے سے جھگڑتے اور ایک دوسرے کی غلطیوں کو اچھالتے ہیں۔ قرآن میں مومنوں کی اس صفت رحم کو یوں بیان کیا گیا ہے:

أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

ـ وہ کافروں کے لیے تو سخت ہیں لیکن آپس میں بڑے مہربان ہیں۔

علامہ اقبال کی طرف سے شکوے کا جواب یہ ہے کہ تم اپنے بزرگوں کی [illegible] کے [illegible] تو ہو لیکن تمہارے پاس ایسا پاکیزہ، صحت مند [illegible] ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے اسلاف ایمان

Marfat.com

اور چین تک کے حکمران بن گئے تھے مگر تم تو صرف باتیں ہی بناتے رہتے ہو۔ کیا تم میں کچھ غیرت و حمیت بھی موجود ہے۔

بائیسواں بند

(۲۲)

خود کشی شیوہ تمھارا، وہ غیور و خوددار
تم اُخوّت سے گریزاں، وہ اُخوّت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بہ کنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت اُن کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت اُن کی

مشکل الفاظ

خودکشی: اپنے آپ کو ہلاک کرنا، اپنے ہاتھوں اپنی موت کا سامان پیدا کرنا۔
غیور: غیرت مند۔
خوددار: اپنی عزت کو برقرار رکھنے والا۔
اُخوت: بھائی چارہ۔ گریزاں: بھاگنے والا۔
سراپا کردار: سر سے لے کر پاؤں تک عمل میں مصروف، مکمل طور پر باعمل، بات چیت پر کام کو ترجیح دینے والا۔
گلستاں بکنار: اپنی گود میں سارے گلستاں کو لئے ہوئے یعنی سارے گلستاں کا مالک۔
حکایت: کہانی۔

Marfat.com

صفحۂ ہستی پر: زندگی کے صفحے پر، زمانے کی پیشانی پر۔
صداقت: سچائی۔

مطلب

تم لوگ تو خود اپنے ہاتھوں اپنی موت اور بربادی کا سامان پیدا کر رہے ہو مگر تمہارے بزرگ غیرت مند اور خوددار تھے۔ تم بھائی چارے سے بھاگتے ہو لیکن پہلے زمانے کے مسلمان آپس میں بھائی بھائی تھے۔ تم صرف باتیں بنانے کے عادی ہو اس کے برعکس وہ سراپا عمل تھے۔ تم تو دنیا کی ایک نعمت (ایک کلی) کے لیے ترس رہے ہو مگر ان کے دامن میں تو پورا باغ تھا (یعنی وہ بے شمار دنیاوی نعمتوں سے مالا مال تھے)۔ دنیا کی تمام قوموں کو اب تمہارے اسلاف کے سنہری کارناموں کی کہانی یاد ہے۔ کتاب زمانے کے صفحے پر آج بھی ان کی سچائی کا نقش نمایاں ہے (یعنی دنیا کی تاریخ ان کے سچے واقعات سے بھری پڑی ہے)۔

تشریح

اِن اشعار میں بھی زمانۂ قدیم اور زمانۂ جدید کے مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی کردار کا تقابلی نقشہ سامنے رکھ دیا گیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہوتا ہے کہ:

"تم تو اپنے ہاتھوں اپنی بربادی اور ہلاکت کا سامان پیدا کرتے ہو لیکن تمہارے اسلاف اپنی آن اور غیرت کے محافظ ہوا کرتے تھے۔ پہلے دور کے مسلمان تو آپس میں بھائی [illegible] تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو۔"

[illegible] کے زمانے [illegible] اپنے پریشان [illegible] آج

کل تو ہم ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کی عزت اور جان و مال پر حملہ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم فقط گفتار کے غازی ہیں جبکہ ہمارے بزرگ کردار کے غازی تھے۔ اسی لیے ہم دنیا کی حکومت کو ترستے ہیں۔ ہمارے اسلاف تو ہر طرح کی نعمتوں اور حکمرانیوں سے فیض یاب تھے۔ دنیا کی تاریخ ہمارے اسلاف کے حیرت انگیز واقعات، بے مثال بہادری، بے خوف صداقت اور کارہائے نمایاں سے بھری پڑی ہے۔

تیئسواں بند

(۲۳)

مثلِ انجم اُفقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
بُتِ ہندی کی محبت میں برہمن بھی ہوئے
شوقِ پرواز میں مہجورِ نشیمن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں، دین سے بدظن بھی ہوئے
ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا
لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا

مشکل الفاظ

مثلِ انجم: ستاروں کی مانند

اُفقِ قوم: قوم کا اُفق۔

اُفق: آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا نظر آتا ہے اور جہاں سے سورج نکلتا دکھائی دیتا ہے۔

بتِ ہندی: ہندوستانی بت۔

Marfat.com

شوقِ پرواز: اُڑنے کا شوق۔
مہجورِ نشیمن: اپنے گھونسلے سے جدا، اپنے وطن سے دور۔
مہجور: بچھڑا ہوا۔ بند: قید، پابندی۔ صنم خانہ: بت خانہ۔

مطلب

تم میں سے کچھ لوگ موجودہ زمانے میں بھی قوم کے اُفق پر ستاروں کی مانند چمکے اور کچھ لوگ ہندوستانی بتوں کی محبت میں گرفتار ہو کر برہمن بھی بن گئے (اسلام کو خیر باد کہہ گئے)۔ تمہارے موجودہ نوجوانوں کا یہ حال ہے کہ وہ پرواز (دنیاوی پرواز) کے شوق میں اپنے نشیمن (مذہب اور اسلامی روایات) سے جدا بھی ہو گئے۔ وہ نوجوان جو پہلے ہی بے عمل تھے مزید برآں وہ دین اسلام سے بھی بدگمانی کا اظہار کرنے لگے۔ موجودہ دور کی مغربی تہذیب نے ان کو اسلامی تعلیمات کی ہر ایک پابندی سے آزاد کر کے اور کعبے کے احاطے سے نکال کر بت خانے میں بسا دیا۔ (اسلام کی بجائے کافرانہ نظریات کا شیدائی بنا دیا ہے)۔

تشریح

اس بند میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ آج کل کے مسلمان اگرچہ ترقی کے آسمان پر بھی روشن ہوئے مگر بہت جلد وہ ہندی حسینوں کی محبت میں گرفتار ہو کر اسلامی روایات اور اسلامی اقدار کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ یہ امر افسوس ناک ہے کہ وہ دنیاوی ترقی اور مادی مقاصد کے لیے اپنے قومی اور تہذیبی مرکز سے بھی دور ہٹ گئے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بے عمل مسلمان خصوصاً نوجوان دین سے بھی بدگمان ہو گئے۔ لادین مغربی تہذیب و تمدن کے اثرات نے مسلمان نوجوانوں کے دل و [illegible] ایسا جادو چلایا ہے کہ وہ ہر طرح کی اخلاقی اور سماجی پابندیوں سے آزاد ہو [illegible] اور اسی آزادی نے ان کو کعبے سے نکال کر بت خانے میں لے [illegible] اسلام سے اپنی نسبت کا صرف [illegible] اظہار کر سکتے

ہیں کہ ۔

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

چوبیسواں بند

(۲۴)

قیس زحمت کشِ تنہائیِ صحرا نہ رہے
شہر کی کھائے ہوا، بادیہ پیما نہ رہے!
وہ تو دیوانہ ہے، بستی میں رہے یا نہ رہے
یہ ضروری ہے، حجابِ رُخِ لیلا نہ رہے!
گلۂ جَور نہ ہو، شکوۂ بیداد نہ ہو
عشق آزاد ہے، کیوں حُسن بھی آزاد نہ ہو!

مشکل الفاظ

قیس: مجنوں۔
زحمت کش تنہائی صحرا: ریگستان کی تنہائی کی تکلیف اٹھانے والا۔
بادیہ پیما: جنگل کو ناپنے والا، جنگلوں کی خاک چھاننے والا۔ جنگل میں آوارہ گھومنے والا۔
حجاب رُخ لیلیٰ: لیلیٰ کے چہرے کا پردہ۔
گلۂ جور: ظلم کی شکایت۔
شکوۂ بیداد: ظلم وستم کا شکوہ۔

مطلب

قیس (مسلمان نوجوان) کی یہ خواہش ہے کہ وہ اب صحرا کی تنہائی کی

Marfat.com

تکلیف نہ اٹھائے۔ وہ تو اب جنگل کی خاک چھاننے کی بجائے شہر (موجودہ تہذیب) کی ہوا کھانے کا خواہش مند ہے اور وہ جہاں بھی رہے اس کی دیوانگی کا تقاضا ہے کہ لیلیٰ (مسلمان لڑکی) کے چہرے پر پردہ نہ رہے۔ مسلمان نوجوان کا عشق چونکہ اب مغربی تہذیب کے زیرِ اثر شریعت کی قید سے آزاد ہو چکا ہے اس لیے وہ مسلمان لڑکیوں کے حسن کو بھی پردے کا پابند دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس آزادی کا جذبہ اگر غلط نتائج پیدا کرے تو پھر ظلم و ستم کا شکوہ نہیں ہونا چاہیے۔

تشریح

مندرجہ بالا اشعار میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ موجودہ دور کے نوجوان مسلمان بھی اوروں کی طرح اسلامی تعلیمات اور اسلامی روایات سے دور ہو چکے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ صحراؤں اور دیہاتوں کے سادہ اور فطرتی ماحول کو چھوڑ کر اب شہروں کا رخ کر رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلام کی پاکیزہ اور سادہ تعلیم کی بجائے اب مغربی تہذیب و تمدن کی چمک دمک سے متاثر ہو رہے ہیں حالانکہ یہ جھوٹے نگینوں کی نمائش کا جادو ہے۔ شہری تمدن اور مغربی تہذیب کے زیر اثر وہ اب مسلمان لڑکیوں کے چہرے سے پردہ اٹھانے کے بھی خواہش مند ہیں۔ بے پردگی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ عشق آزاد ہوا ہے تو اب حسن بھی ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہے۔ جب عشق و حسن آزاد ہو جائیں تو پھر سوسائٹی کو کسی قسم کے غلط اور تباہ کن نتائج پر افسوس نہیں کرنا چاہیے۔

علامہ اقبالؒ نے دورِ حاضر کی بے پردگی کے بارے میں دوسری جگہ بھی یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

[illegible] آیا ہے [illegible] لیلیٰ کا

اب [illegible] دیدار عام [illegible]

Marfat.com

پچیسواں بند

(۲۵)

عہدِ نَو برق ہے، آتش زنِ ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے
ملّتِ ختمِ رُسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

مشکل الفاظ

عہدِ نو: نیا زمانہ، نیا دور، مغربی تہذیب۔
برق: بجلی۔
آتش زن ہر خرمن: ہر ایک خرمن میں آگ لگانے والا۔
خرمن: کھلیان، جہاں غلہ جمع ہوتا ہے، غلّے کا انبار۔
ایمن: محفوظ۔ گلشن: باغ
اقوام کہن: پرانی قومیں۔
ملت ختم رسلؐ: خاتم النبیین ﷺ کی قوم، سب رسولوں کے بعد آخر میں آنے والے نبی یعنی رسولِ کریم ﷺ کی امت۔
رُسل: رسول کی جمع۔
شعلہ بہ پیراہن: جس کے کرتے میں شعلے موجود ہوں، جس کے دامن کو شعلے پکڑ چکے ہوں۔
براہیمؑ: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔
انداز گلستان: باغ کا طریقہ، باغ کی طرح پھولوں سے آراستہ ہونا۔

Marfat.com

قرآن کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ خدا کے حکم سے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ قرآن کی یہ وہ آیت ہے:

قُلْنَا يَانَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ

ہم نے کہا اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ کے لیے سلامتی بن جا۔

مطلب

موجودہ زمانہ (مغربی تہذیب و تمدن) اس بجلی کی طرح ہے جو ہر ایک خرمن (قوم) میں آگ لگا دیتی ہو موجودہ دور کی تباہ کاریوں سے نہ تو کوئی ریگستان۔ (صحرائی قوم) محفوظ ہے اور نہ ہی کوئی باغ (متمدن قوم) دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نئی آگ (موجودہ تہذیب) کا ایندھن دنیا کی پرانی قومیں ہیں۔ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی امت کے دامن سے بھی شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ آج کل بھی اگر مسلمان کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا مضبوط ایمان پیدا ہو جائے تو یہی آگ (نئی تہذیب) ان کے لیے باغ میں بدل جائے گی۔

تشریح

مندرجہ بالا بند میں شاعر نے نئی تہذیب کی ہمہ گیر تباہ کاریوں اور ہلاکت خیزیوں کا ذکر کیا ہے۔ نئے زمانے کو ایک ایسی بجلی سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہر ایک خرمن کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ اس کی گرفت میں صحرائی قومیں بھی ہیں، اور متمدن اقوام بھی۔ نئی تہذیب کی مادہ پرستی، بے دینی، بے لگام آزادی اور لوٹ کھسوٹ سے آج کل دنیا کی کوئی قوم بھی محفوظ نہیں۔ دورِ حاضر کے مسلمان بھی نئی تہذیب کے [illegible] میں آ چکے ہیں۔ ان کے پاس ایمان اور اسلام کی مایۂ ناز [illegible] موجود ہیں۔ اگر وہ ان پر عمل کریں تو پھر وہ مغربی

Marfat.com

تہذیب و تمدن کی تباہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اپنی اس بات کی تائید میں شاعر نے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں قرآنی واقعہ کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔ عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

چھبیسواں بند

(۲۶)

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی
کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی
گُل بر انداز ہے خونِ شُہدا کی لالی
رنگ گردُوں کا ذرا دیکھ تو عُنّابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفق تابی ہے!

مشکل الفاظ

رنگِ چمن: باغ کا رنگ۔
کوکبِ غنچہ: کلی کا ستارا، ستارے کی مانند روشن کلی۔
خس و خاشاک: گھاس پھوس، تنکے اور کوڑا کرکٹ۔
گلستان: باغ
گل برانداز: پھولوں کو پھینکنے والا، پھول برسانے والا۔
خونِ شہداء کی لالی: شہیدوں کے خون کی سرخی۔
گردوں: آسمان۔ عُنابی: سرخی مائل۔
اُفق تابی: اُفق کو روشن کرنا۔
اُفق: آسمان کا وہ کنارا جہاں سے سورج ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔

Marfat.com

مطلب

باغِ اسلام کے مالی اپنے چمن (ملت اسلامیہ) کا موجودہ حال دیکھ کر پریشان اور مایوس نہ ہوں کیونکہ کلیوں کے ستارے سے شاخیں چمکنے والی ہیں (ملت کے افراد ترقی کی طرف قدم بڑھانے والے ہیں) اَب اسلام کا گلشن گھاس اور تنکوں (خرابیوں) سے خالی ہو جائے گا۔ اسلام کے نام پر قربان ہونے والوں کے خون کی سرخی پھول برسا رہی ہے (شہیدوں کا خون اسلام کے فروغ کا باعث ہو رہا ہے)۔ ذرا غور سے دیکھو کہ آسمان کا رنگ سرخی مائل ہے۔ یہ سرخی دراصل اُبھرتے ہوئے سورج کی روشنی ہے جو اُفق کو چمکا رہی ہے۔

تشریح

یہ بند دراصل گریز کا بند ہے۔ اس سے پہلے پرانے اور نئے دور کے مسلمانوں کا مقابلہ پیش کیا گیا ہے لیکن اَب ہمیں خوشخبری دی جا رہی ہے کہ ہم اپنی ملت کی بری حالت اور زوال کو دیکھ کر پریشان نہ ہوں کیونکہ اب ملت اسلامیہ ترقی کی منزلیں طے کرے گی۔ گلشن ملت گھاس اور تنکوں سے پاک صاف ہو کر پھولوں سے آراستہ ہونے والا ہے۔ جس طرح رات کی تاریکی کے بعد صبح نمودار ہوا کرتی ہے اسی طرح زوال کے بعد عروج کا دور شروع ہونے لگتا ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جب کوئی قوم غلامی اور زوال کا شکار ہو کر ہر طرح کی ذلت میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پھر ایسی ظلمت کی کوکھ سے روشنی کی کرنیں پھوٹنے لگتی ہیں۔ محکوم اور زوال پذیر قوم کے باشعور، حساس، نیک سیرت اور آزادی پسند افراد اپنی قوم کی کایا پلٹنے اور اسے ترقی کے راستے پر گامزن کرنے کے لیے آگے [illegible] ان کے انقلابی پیغام سے متاثر ہو کر دوسرے لوگ بھی ان [illegible] اقبال تحریک آزادی قوم اور عروج [illegible] دیکھ لیا ہے کہ اقبال کی

شاعری سے متاثر ہو کر ہندوستان کے مسلمان بھی غیروں کی غلامی سے آزاد ہوئے اور پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

ستائیسواں بند

(۲۷)

اُمتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں
اور محرومِ ثمر بھی ہیں، خزاں دیدہ بھی ہیں
سیکڑوں نخل ہیں، کاہیدہ بھی، بالیدہ بھی ہیں
سیکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں
نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

مشکل الفاظ

اُمتیں: قومیں۔
گلشنِ ہستی: زندگی کا باغ مراد دنیا۔
ثمر چیدہ: پھلوں کو چنے ہوئے، پھلوں سے آراستہ۔
محرومِ ثمر: پھل سے محروم، جن کو پھل نہ ملا ہو۔
خزاں دیدہ: خزاں کا شکار، جس پر خزاں طاری ہو۔
نخل: درخت۔
کاہیدہ: کم کیا ہوا، کمزور، زوال پذیر، گھٹتا ہوا۔
بالیدہ: بڑھا ہوا، ترقی یافتہ، پھولا پھلا ہوا۔
بطنِ چمن: باغ کا پیٹ۔
نخلِ اسلام: اسلام کا درخت۔

Marfat.com

برومندی: پھل لانے والی اور فائدہ پہنچانے والی صفت مراد کامیابی اور فروغ۔

صدی: سو سال۔

چمن بندی: باغ میں پھولوں کو آراستہ کرنا، باغ کی زینت۔

مطلب

دنیا کے باغ میں کچھ قومیں دنیاوی نعمتوں سے مالا مال (ثمر چیدہ) ہیں اور کچھ قومیں موسم خزاں (زوال) کا شکار ہو کر پھلوں (دنیاوی نعمتوں) سے محروم ہیں۔ دنیا کے اس وسیع باغ میں سینکڑوں درخت (قومیں) کملائے ہوئے ہیں اور پھولے پھلے بھی۔ اس باغ کے پیٹ میں ابھی تک سینکڑوں درخت چھپے ہوئے ہیں (جو قومیں ابھی ظاہر نہیں ہوئیں) اسلام کا پھلا پھولا درخت (ترقی) دنیا کے لیے نمونہ ہے کیونکہ یہ کئی صدیوں کی چمن بندی (کوششوں اور قربانیوں) کے بعد بار آور ہوا ہے۔

تشریح

اس بند میں دنیا کی مختلف قوموں کا ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کو تسلی ہو کہ اس وقت صرف وہی زوال کا شکار نہیں ہیں بلکہ دنیا کی بعض دوسری قومیں بھی اس مرحلے میں ہیں۔ اگر ہم بغور جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس وقت مسلمانوں کی طرح بعض دیگر قومیں بھی غلامی کے دور سے نکل کر آزادی کی منزل کی طرف قدم بڑھانے والی ہیں۔ کچھ قومیں ترقی یافتہ ہیں اور کچھ غیر ترقی یافتہ۔ قوموں کی طرح افراد کی زندگی بھی عروج اور زوال کے مرحلوں سے گزرا [illegible] ہے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ سینکڑوں سالوں کی قربانی اور جدوجہد کا [illegible] ایک لمبا پائیدار، ہمہ گیر اور مکمل ضابطہ حیات ہے جو نہ صرف

Marfat.com

مسلمانوں بلکہ غیروں کے لیے بھی قابل تقلید ہے۔ عرب سے نکل کر فوراً ہی اسلام ایران، عراق، شام، روم، افغانستان، ہندوستان، ترکی، چین اور افریقہ تک پھیل گیا تھا۔ یہ صرف مسلمانوں کی بے مثال قربانیوں، جذبۂ اسلام اور شوقِ شہادت کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمان ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

اٹھائیسواں بند

(۲۸)

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا
تُو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا
قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا
غیرِ یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا
نخلِ شمع استی و در شعلہ دوَد ریشۂ تو
عاقبت سوز بوَد سایۂ اندیشۂ تو

مشکل الفاظ

گردِ وطن: وطن کی مٹی، وطنیت کی گرد۔
سرِداماں: داماں کا سرا مراد دامن۔
یوسفؑ: حضرت یوسفؑ جو اپنے حسن کی وجہ سے بھی مشہور ہیں۔
کنعان: حضرت یوسف علیہ السلام کا ملک۔
غیرِ یک بانگِ درا: ایک بانگِ درا کے علاوہ، گھنٹی کی ایک آواز کے سوا۔
بانگِ درا: گھنٹی کی آواز، 'درا' اس گھنٹی کو کہتے ہیں جو کاروان میں کوچ کے لیے بجائی جاتی ہے تاکہ سب لوگ اگلی منزل پر جانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

Marfat.com

نخلِ شمع استی و در شعلہ دود ریشۂ تو

عاقبت سوز بود، سایۂ اندیشۂ تو

سایہ بھی عاقبت سوز ہوتا ہے یعنی جو سب کو جلا کر خاک کر دینے والا ہے۔

مطلب

اے مسلمان! تیرے دامن کا سرا وطنیت کی گرد سے پاک ہے۔ یوسفؑ کی طرح ہر مصر (ملک) کنعان (ملک) ہے۔ تیری ملت کا کاروان کبھی ویران نہیں ہو سکے گا کیونکہ تیرا سامانِ سفر ایک بانگ درا (توحید) کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اے مسلمان! تو تو وہ درخت ہے جو شمع کی طرح ہے کہ تیرے ریشے شعلوں ہی کے اندر دوڑتے ہیں (تو سراپا سوز و ساز ہے) اور تیری فکر تو وہ ہے جس کا سایہ بھی عاقبت سوز ہے (تو اپنی ہستی کے لیے نتائج سے بے پروا ہو جاتا ہے)۔

تشریح

ان اشعار میں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ تمہارا دامن وطن پرستی کی محدود حلقہ بندی کی گرد سے پاک و صاف ہے اور تمہیں بھی حضرت یوسفؑ کی طرح ہر ایک ملک کو اپنا وطن تصور کرنا چاہیے۔ اسلام توحید کا علمبردار ہے۔ تمہارے کاروانِ ملی کی بانگ درا توحید ہے۔ جب تک یہ بانگ درا موجود ہے تمہارا قافلہ کبھی برباد نہ ہوگا۔ یہی توحید ملت اسلامیہ کی بقا کی ضامن ہے۔ اس بند میں زیادہ تر وطنیت کے غیر اسلامی تصور کی مذمت کی گئی ہے۔

دورِ حاضر میں وطن پرستی (Nationalism) بین الاقوامی جنگوں اور انسانی تباہی کا سبب بن گئی ہے۔ گزشتہ دو جنگیں اسی ذہنیت کی ترجمانی کرتی ہیں۔ [illegible] محبت ایک قابل تعریف جذبہ تو ہے لیکن اس کو بت بنا کر اس کی پوجا [illegible] دوسری کمزور اور امن پسند قوموں پر خواہ مخواہ حملہ کرکے ان کی زمین

Marfat.com

کو ہتھیانا اور ان کے باشندوں کو اپنا غلام بنانا کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور ہمارا خدا بھی سب انسانوں کا خدا ہے۔ اسلام بنی آدم کو ملکوں، رنگوں اور نسلوں میں تقسیم کرکے ان کو ٹکڑوں میں نہیں بانٹتا۔ سب کو ایک ہی خدا کے بندے تصور کرتا ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو حکم ہے کہ اس پوری زمین کو ایک ملک سمجھو اور ساری انسانیت کو ایک خدا کے سامنے جھکا دو تاکہ دنیا نسل، ملک، رنگ، زبان، قوم اور دولت وغیرہ کے بتوں کا خاتمہ کرکے انسانیت کے فروغ کی فکر کرے۔ تم مسلمان ایک ایسی ملت ہو جس کی سب سے بڑی ذمہ داری یہی ہے۔

انتیسواں بند

(۲۹)

تُو نہ مِٹ جائے گا ایران کے مِٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مِل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتیِ حق کا زمانے میں سہارا تُو ہے
عصرِ نَو رات ہے، دُھندلا سا ستارا تُو ہے

مشکل الفاظ

نشۂ مے: شراب کا نشہ۔ عیاں: ظاہر۔
یورشِ تاتار: تاتاریوں کا تباہ کن اور وحشت پیدا کرنے والا حملہ۔ یہ تاتاری حملہ آور بعد ازاں مسلمان بن گئے تھے۔
افسانہ: کہانی۔ پاسباں: نگہبان۔

Marfat.com

صنم خانہ: بت خانہ۔ کشتیٔ حق: حق کی کشتی، حقیقت کی کشتی۔

عصرِ نو: نیا زمانہ، جدید دور۔

مطلب

اے مسلمان! تو ایران کے مٹ جانے سے ہرگز نہیں مٹے گا کیونکہ اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ جس طرح شراب کا نشہ شراب میں ہوتا ہے نہ کہ پیمانے میں اسی طرح اسلام (نشۂ مے) بھی کسی ایک خاص ملک (پیمانے) سے وابستہ نہیں ہیں۔ تاتاریوں کے حملے کے واقعہ نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ اسلام کبھی مٹ نہیں سکتا۔ اسلام کے دشمن تاتاری ہی بعد میں کعبے (اسلام) کے پاسبان بن گئے تھے (مسلمان ہو کر اسلام کی خدمت کرنے لگے تھے) سچ بات تو یہ ہے کہ تو زمانے میں اسلام کی کشتی کا سہارا اور نئے دور کی تاریکیوں کو دور کرنے والا ستارا ہے۔

تشریح

ان شعروں میں بھی وہی بات دہرائی گئی ہے جو اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی خاص ملک و وطن نہیں۔ جس طرح اسلام ایک آفاقی دین ہے اسی طرح ملت اسلامیہ بھی عالمگیر قوم اور عالمگیر انسانی نظام ہے۔ مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ کسی ایک ملک کے مٹ جانے سے مسلمان کبھی مٹ نہیں سکتے۔ اسلام ایک ایسی قوت ہے جو ہمیشہ باقی رہے گی۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ کوئی ملک مٹ جائے لیکن اسلام نہیں مٹے گا۔ اہل [illegible] اور [illegible] مٹ گئے تو کیا اسلام بھی مٹ گیا تھا؟ [illegible] مسلمانوں کی [illegible] اور اسلام [illegible] اقبال نے اہل [illegible] کیا اسلام اسی طرح [illegible] جہاں [illegible] لیکن

کیا اسلام بھی مٹ گیا؟ تم اسلام کے پیروکار اور علمبردار بن کر اگر نہیں رہو گے تو تم ضرور مٹ جاؤ گے، اسلام نہیں مٹے گا۔ اللہ اپنے دین کو برقرار رکھنے کے لیے بعض اوقات دشمنوں سے بھی کام لے لیا کرتا ہے۔ عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے زمانے میں تاتاری سردار ہلاکو نے مسلمانوں کی بے عملی، بے حسی، تن آسانی اور باہمی پھوٹ اور کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر بغداد پر حملہ کیا اور بے شمار مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس وقت بغداد عالم اسلام کا مرکز تھا لیکن اس کی تباہی سے اسلام مٹ نہیں گیا بلکہ بعد میں ہلاکو خاں کی اولاد ہی نے مسلمان ہو کر اسلام کی علمبرداری کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان ہی کشتیٔ حق کا سہارا ہیں کیونکہ صرف وہی اسلام کی آفاقی، ابدی اور قدرتی تعلیمات کے ذریعے دنیا اور دنیا والوں کے لیے امن، راحت، ہدایت اور ترقی کا باعث بن سکتے ہیں۔

تیسواں بند

(۳۰)

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا
غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تُو سمجھتا ہے، یہ ساماں ہے دل آزاری کا
امتحاں ہے ترے ایثار کا، خودداری کا
کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے

مشکل الفاظ

ہنگامہ: شور۔ ہنگامہ بپا ہے: شور مچا ہوا ہے۔
یورشِ بلغاری: بلغاریہ کا حملہ۔

Marfat.com

دل آزاری: کسی کے دل کو دکھانا۔

ایثار: قربانی۔

خودداری: اپنے وجود کو برقرار رکھنا، اپنی عزت کی حفاظت کرنا۔

ہراساں: خوفزدہ۔

صہیلِ فرسِ اعدا: دشمنوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز۔

صہیل: گھوڑے کا ہنہنانا۔

فرس: گھوڑا۔

اعدا: عدو (دشمن) کی جمع۔

نورِ حق: حق کا نور، حقیقت کا نور، خدا کا نور مراد اسلام۔

نفس: سانس کو کہتے ہیں۔

نفسِ اعداء: دشمنوں کی پھونک (یعنی وہ سانس جو آدمی چراغ کو گل کرنے کے لیے اس پر پھینکتا ہے)۔

مطلب

ترکی پر بلغاریہ کے حملے کی وجہ سے جو ہر طرف ہنگامہ بپا ہے وہ دراصل غافل مسلمانوں کے لیے بیداری کا پیغام ہے۔

اے مسلمان! تو ترکی پر اس حملے کو اپنی دل آزاری کا باعث خیال کرتا ہے حالانکہ یہ تیری قربانی اور خودداری کی آزمائش ہے۔ تو اپنے دشمنوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے سے کیوں خوفزدہ ہے۔ نورِ حق (اسلام) دشمنوں کی پھونک سے بجھنے والا نہیں۔

تشریح

اس بند میں ترکی پر بلغاریہ کے اس حملے کا ذکر ہے جو ۱۹۱۲ء میں ہوا تھا۔ [illegible] کا اہم مرکز اور اسلامی شان و شوکت کا مظہر تھا۔ غیر مسلم

Marfat.com

قومیں سپین میں اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے بعد سے ہمیشہ اس فکر میں تھیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح ترکوں کی سلطنت کا بھی قلع قمع کر دیں۔ بدقسمتی سے ۱۹۱۸ء میں اس کا خاتمہ ہوگیا۔ اس واقعہ پر تمام مسلم ممالک خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے مسلمان سخت بے قرار ہوئے کہ اب اسلام کا بھی خاتمہ ہوگیا لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت یعنی ترکی کے خاتمے کے بعد بھی اسلام باقی ہے۔ غیر مسلم ہمیشہ اس امر کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ وہ نورِ حق کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن خدا تعالیٰ کفار کی اس مذموم کوشش کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ

اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے خواہ یہ بات کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں اس قرآنی حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں ۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اکتیسواں بند

(۳۱)

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

Marfat.com

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

مشکل الفاظ

چشم اقوام: قوموں کی آنکھ۔ اقوام، قوم کی جمع ہے۔
مخفی: پوشیدہ۔
محفلِ ہستی: زندگی کی محفل مراد دنیا۔ حرارت: گرمی۔
کوکبِ قسمت امکان: دنیا کی قسمت کا ستارا۔
خلافت: رسول کریم ﷺ کی نیابت، دنیا میں اسلامی نظام کے نفاذ کی ذمہ داری۔
وقتِ فرصت: فرصت کا وقت۔
نورِ توحید: توحید کا نور، خدا کی وحدانیت کی روشنی۔
اتمام: مکمل ہونا، کمال کو پہنچنا۔

مطلب

اے مسلمان! دنیا کی قوموں کی آنکھ سے تیری حقیقت پوشیدہ ہے۔ (دنیا کی قومیں تیرے وجود کی اہمیت کو نہیں جانتیں ورنہ وہ تجھ کو مٹانے کے درپے نہ ہوتیں) ابھی دنیا کی محفل کو تیری ضرورت ہے۔ تیری ہی حرارت (وجود) کی وجہ سے دنیا زندہ ہے۔ تیری خلافت (اسلامی حکومت) دنیا کی قسمت کا ستارا ہے۔ تجھے ابھی اسلام کے نفاذ کے لیے بہت کام کرنا ہے۔ علاوہ ازیں ابھی توحید کا [illegible]

[illegible]

Marfat.com

محفل کے لیے باعث زینت اور زمانے کے لیے زندگی کی حرارت ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

(اے رسولؐ! ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

دوسری جگہ یوں فرمایا ہے:

کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا

(آپ ساری انسانیت کو اچھے اعمال اچھے نتائج کی خوشخبری دینے والے اور برے اعمال کے برے انجام سے خبردار کر دینے والے ہیں)

دین اسلام کی تکمیل و ہدایت کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ

اے رسولؐ آج کے دن میں نے تیرے دین (انسانی ضابطۂ حیات) کو مکمل کر دیا ہے)۔

چونکہ رسولِ خدا ﷺ کا دین مکمل ہو چکا ہے اس لیے اب دین اسلام کو کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔ دنیا والوں کو اسی دین سے نورِ ہدایت حاصل کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ رسول کریم ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے اس لیے ان کا پیغام دنیا بھر کے انسانوں کے لیے باعث رحمت ہے۔ جو لوگ اسلام کے صحیح پیروکار ہوں گے ان کا وجود بھی بلاشبہ دنیا والوں کے لیے فخر اور رحمت کا سبب ہوگا۔ قدرت کا یہ اٹل اصول ہے کہ وہ کسی مفید شے کو مٹایا نہیں کرتی۔ مسلمان جب تک قائم و دائم رہنے والے دین کی اشاعت اور خلافت کے لیے کام کرتے رہیں گے۔ وہ بھی محفل عالم میں باقی رہیں گے۔

بند کے آخری شعر میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ توحید و رسالت کے نور کو پھیلانے کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہیں تاکہ دنیا اسلام کی بدولت

Marfat.com

سکھ چین کی زندگی گزار سکے۔

بتیسواں بند

(۳۲)

مثلِ بُو قید ہے غنچے میں، پریشاں ہوجا
رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہوجا
ہے تنک مایہ، تو ذرّے سے بیاباں ہوجا
نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہوجا
قوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کردے

مشکل الفاظ

مثلِ بو: خوشبو کی مانند۔ غنچہ: کلی۔
رخت: لباس۔
رخت بردوش: کندھے پر اپنا لباس اٹھانا، مراد سفر کے لیے تیار رہنا۔
ہوائے چمنستان: باغ کی ہوا۔
تنک مایہ: معمولی سرمایہ رکھنے والا، حقیر۔
نغمۂ موج: موج کا نغمہ۔ ہنگامۂ طوفاں: طوفاں کا شور۔
قوتِ عشق: عشق کی طاقت۔ پست: نیچا۔ بالا: بلند۔
دہر: زمانہ۔
اسمِ محمدؐ: حضرت محمد ﷺ کا اسم مبارک۔ اُجالا: روشنی۔

[illegible] خوشبو کی مانند اپنی کلی (گھر) کے اندر بند ہے اب

تجھے اپنی خوشبو کو دور دور تک پھیلانا ہے۔ اب تجھے باغ کی ہوا کے کندھے پر سوار ہونا پڑے گا (ساری دنیا میں اسلامی تعلیمات کی خوشبو کو پھیلانا ہوگا) اگر تو اب ایک حقیر اور کمزور ذرہ ہے تو تجھے اپنے آپ کو بیابان (وسیع اور مضبوط) بنانا چاہیے۔ تو اپنی موج کے نغمے کو طوفان کے ہنگاموں میں بدل دے (اپنی ذات کو عظیم، طاقت ور اور وسیع بنا)۔

اے مسلمان! تو اسلام سے اپنے عشق اور اس عشق کی طاقت سے ہر ایک کمزور کو طاقتور بنا دے اور ہر پست کو بالا کر دے۔ تو زمانے میں محمد رسول اللہ ﷺ کے نام سے روشنی کو عام کر دے۔

تشریح

مندرجہ بالا شعروں میں مسلمانوں کو اسلام کے زندہ اور تابندہ پیغام کی اشاعت اپنی ذات کو انقلابی اور وسیع بنانے اور دنیا میں اسلام کی محبت اور رسول کریم ﷺ کے نام سے نور ہدایت کو عام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

تبلیغ اسلام ایک ایسا فرض ہے جسے مسلمان ہر دور میں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اسلام حق ہے اور کفر باطل۔ حق باقی رہنے والا ہے اور باطل مٹ جانے والا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ہمیشہ حق کی روشنی پھیلانے اور دنیا کے گمراہ انسانوں کو صحیح راستے پر لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی ارشاد کی تعمیل کے لیے مسلمان انڈونیشیا، ملائیشیا، ہندوستان، ایران، روم، افریقہ، یورپ اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں جاتے رہے ہیں۔ نور حق کو صرف اپنے پاس رکھنا اور دوسرے انسانوں تک اس کی روشنی اور ہدایت نہ پہنچانا خود غرضی ہے۔ یہ اسی تبلیغ و اشاعت کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی اپنی ذات مضبوط [illegible] اور انقلابی [illegible] ہے۔

اس بند کے آخری شعر میں رسول کریم ﷺ کے نام کی بدولت دنیا [illegible] میں اُجالا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ [illegible] وہ خدا کے [illegible] ہیں [illegible] دین کی تکمیل ہو چکی ہے اس لیے اب اسی پیغام کی [illegible]

Marfat.com

جہالتوں کو دُور کیا جائے گا۔

اقبالؒ ایک اور جگہ یوں کہتے ہیں ؎

تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے
گر مسلمانی، نیا سائی دمے

جب تک سارا عالم اسلام کا نعرہ بلند نہ کرنے لگے تو اگر مسلمان ہے تو ایک دم کے لیئے بھی آرام سے نہ بیٹھ۔

تینتیسواں بند

(۳۳)

ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنّم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خُم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دُنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا اِستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

مشکل الفاظ

ترنّم: موسیقی پیدا کرنے والی آواز۔
چمنِ دہر: زمانے کا باغ۔
تبسم: مسکراہٹ۔ ساقی: شراب پلانے والا۔
خُم: شراب کا مٹکا۔
بزمِ توحید: محفل، خدا کی وحدانیت میں یقین رکھنے والوں کی

Marfat.com

افلاک: فلک (آسمان) کی جمع۔
نبضِ ہستی: زندگی کی نبض۔
تپش آمادہ: حرارت دینے پر تیار، گرم، حرکت کے لیے تیار۔

مطلب

اے مسلمانو! اگر دنیا کے باغ میں یہ پھول (رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات) نہ ہوتا تو پھر نہ یہاں بلبل کا نغمۂ مسرت گونجتا اور نہ کلیوں کی مسکراہٹ ہی اُبھرتی جو اس کی سرخوشی و شادابی کی علامت ہے۔ اس ساقی (رسول کریم ﷺ) کے بغیر شراب (توحید) اور خم (اسلام) بھی نہ ہوتے۔ اسی طرح ہادی اکبر ﷺ اور مصلح اعظم ﷺ کے بغیر نہ ہی ملت اسلامیہ موجود ہوتی اور نہ ہی توحید پرستوں کی محفل کا وجود ہوتا۔ تم یہ بات مت بھولو کہ آسمانوں کا خیمہ اسی مقدس نام کے سبب قائم ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کے نام اور وجود ہی سے کائنات کی نبض میں حرارت اور حرکت پیدا ہوئی ہیں۔

تشریح

اس بند میں بڑے خوب صورت اور دل نشیں انداز میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کی بدولت باغِ عالم کی ساری رونق اور بہار قائم ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ کی تعلیم نہ ہوتی اور اس کی خوشبو سارے عالم میں نہ پھیلتی تو دنیا آج بھی اسی طرح خزاں رسیدہ رہتی جیسے پہلے تھی۔ انسانیت کو نبی اکرم ﷺ کی تعلیم سے سرسبزی اور حقیقی مسرت نصیب ہوئی ہے۔ پہلے شعر میں انھیں باغِ دنیا کا بہترین اور حسین ترین پھول قرار دیا گیا ہے اور دوسرے شعر میں ان کی ذات گرامی کو ساقیٔ مئے توحید کا لقب دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نہ صرف جنت میں حوضِ کوثر کے ساقی ہوں گے بلکہ وہ اس دنیا میں بھی توحید پرستوں کو توحید اور معرفت کی شراب پلانے والے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ آپ ﷺ کو دنیا میں نہ بھیجتا تو

پھر دنیا میں نہ تو اسلام ہوتا اور نہ ہی مسلمانوں کا وجود ہوتا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کے بغیر دنیا میں رحمت و برکت کا بھی نزول نہ ہوتا۔

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

اے رسولؐ! اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔

کے مصداق نبی اکرم ﷺ دنیا کی تخلیق کا باعث ہیں۔

مولانا ظفر علی خاں مرحوم اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اِک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لَوْلَاکَ لَمَا کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں، یہ نور نہ ہو سیاروں میں

اقبالؒ نے بھی حضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہے ۔

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

چونتیسواں بند

(۳۴)

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ دیکھے

مشکل الفاظ

دشت: جنگل۔ دامن کہسار: پہاڑ کا دامن۔
آغوش: گود۔ چشم اقوام: قوموں کی آنکھ۔
ابد تک: ہمیشہ کے لیے۔ ابد: وہ زمانہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔
رفعت: بلندی۔
رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ: قرآن کریم کی ایک آیت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ:
"اے رسولؐ! ہم نے تیرے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔"

مطلب

اے مسلمان! رسولِ خداؐ اور سرورِ انبیاءﷺ کا اسم گرامی دشت میں، پہاڑ کے دامن میں، میدان میں، سمندروں میں، طوفانی موجوں میں، چین کے شہروں میں، مراقش کے بیابانوں میں اور مسلمانوں کے دلوں میں موجود ہے (تمام دنیا میں نبی اکرمﷺ کا نام لیا جاتا ہے) دنیا کی تمام قوموں کی آنکھیں قیامت تک یہ نظارہ دیکھتی رہیں گی۔ آخر ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ خدا نے خود قرآن میں یہ کہا ہے:

"اے رسولؐ! ہم نے تیرے تذکرے کو دنیا میں ہمیشہ کے لیے بلند کر دیا ہے۔"

تشریح

ان شعروں میں بھی سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، سرورِ انبیاء اور باعث تخلیق کائنات حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی عظمت و ہمہ گیری بیان کی گئی ہے۔ قرآن حکیم کے تیسویں پارے کی ایک مشہور سورت اَلَمْ نَشْرَحْ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمﷺ کی عظمت و شہرت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ

اے میرے پیارے رسولؐ! ہم نے تیرے نام کو رفعت بخشی ہے۔

چنانچہ رسول خدا ﷺ کا نام نامی اور اسم گرامی ساری دنیا میں کروڑوں انسانوں کی زبانوں پر صبح و شام جاری ہے۔ مسلمان ہر دور میں آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر درود و سلام پڑھتے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ کا نام کلمہ شریف:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه

کا لازمی جزو ہے۔ روزانہ پانچوں وقت اذان میں آپ ﷺ ہی کا نام اللہ کے نام کے ساتھ گونجتا رہتا ہے:

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اذان کا ضروری حصہ ہے۔ دنیا کے ہر خطے میں آپ ﷺ کے نام لیوا اور شیدائی موجود ہیں۔ کیا دنیا کے کسی اور شخص کو بھی یہ بلند مرتبہ ملا ہے؟ جب تک یہ دنیا قائم ہے اُس وقت تک نبی اکرم ﷺ کا نام اسی طرح بلند ہوتا رہے گا۔ علامہ اقبالؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ است

"ہر ایک مسلمان کے دل میں نبی اکرم ﷺ کی جگہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مصطفےٰ ﷺ کے نام ہی سے ہماری عزت قائم ہے۔"

پینتیسواں بند

(۳۵)

مردمِ چشمِ زمیں ، یعنی وہ کالی دنیا ،
وہ تمہارے شُہدا پالنے والی دنیا

Marfat.com

گرمیِ مہر کی پروردہ ، ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا
تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

مشکل الفاظ

مردم چشم زمیں: زمین کی آنکھ کی پتلی جو کالی ہوتی ہے مراد افریقہ۔
شہداء: شہید کی جمع۔
گرمیٔ مہر کی پروردہ: سورج کی گرمی کی پالی ہوئی۔
ہلالی: ہلال (نیا چاند) سے تعلق رکھنے والی، اسلام کا پرچم۔
بلالیؓ: حضرت بلالؓ (حضور ﷺ کے ایک مشہور صحابی جو حبشہ سے تعلق رکھتے تھے) کی دنیا مراد حبشہ اور افریقہ کا علاقہ۔
تپش اندوز: حرارت کو جمع کرنے والا مراد گرم۔
غوطہ زن: غوطے لگانے والا۔

مطلب

رسول خدا ﷺ کے نام نامی سے زمین کی آنکھ کی پتلی یعنی کالی دنیا (افریقہ) بھی واقف ہے۔ کالی دنیا یعنی افریقہ وہ ہے جس نے تمہارے شہیدوں کی پرورش کی ہے۔ افریقہ کی ہلالی دنیا (مسلم آبادی) سورج کی گرمی کی پالی ہوئی ہے۔ اسلام سے عشق رکھنے والے اسے بلالیؓ دنیا بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت بلالؓ وہاں کے رہنے والے تھے۔ افریقہ کی کالی دنیا رسول کریم ﷺ کے نام سے پارے کی طرح گرم اور بے قرار ہے اور وہ آنکھ کے تارے کی مانند نور میں غوطے لگا رہی ہے (افریقہ میں اسلام کی روشنی بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے)۔

Marfat.com

تشریح

مندرجہ بالا بند میں افریقہ کی عظمت و اہمیت اور وہاں پر اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ شاعر نے افریقہ کی شدید گرمی اور کالے رنگ کو بڑے خوب صورت استعاروں اور تشبیہوں میں بیان کیا ہے۔ حضرت بلال حبشیؓ وہیں کے تھے۔ اس سرزمین میں ہزاروں اہلِ قلم، اہلِ سیف، شہداء، مجاہدین اور فرمانروا پیدا ہوئے۔ ابنِ خلدون اور طارق بن زیاد بھی وہیں کے رہنے والے تھے۔ مسلمان حضرت بلالؓ سے اس براعظم کو نسبت رکھنے کی بناء پر بلالی دنیا کہتے ہیں۔

جب نبی کریم ﷺ نے اہلِ مکہ کو خدا کی توحید کی طرف بلایا تو وہ رسولِ خدا ﷺ اور ان کے جانثار مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ جب مسلمان ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو وہاں کے رحم دل عیسائی بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور انہیں پناہ بھی دی۔ اس سرزمین کے دل میں دھڑکن اور پارے کی سی بے قراری پائی جاتی ہے اور اسلام بڑی تیزی کے ساتھ وہاں پھیل رہا ہے۔

......●......

انتیسواں بند

(۲۹)

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ما سوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
[illegible]
[illegible]

مشکل الفاظ

سپر: ڈھال۔
خلافت: رسول اللہ ﷺ کی نیابت، دنیا میں اسلامی حکومت کے قیام اور شریعت اسلامیہ کے نفاذ کی ذمہ داری۔
جہانگیر: تمام دنیا کو اپنی گرفت میں لینے والا، عالمگیر، آفاقی۔
ماسوا اللہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ، خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز، دنیا اور دنیا کی چیزیں۔
تکبیر: اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان، خدا تعالیٰ کی عظمت کا بیان، اللہ اکبر کا ورد۔
لوح و قلم: تختی اور قلم، خدا تعالیٰ نے آنے والے واقعات اور ہمارے اعمال کے نتائج کو ایک محفوظ تختی (لوحِ محفوظ) پر تحریر کر دیا تھا، کائنات۔

مطلب

اے میرے درویش صفت مسلمان! تیری خلافت (اسلامی نظامِ حکومت) تمام دنیا میں پھیل سکتی ہے بشرطیکہ تو عشق سے اپنی تلوار کا کام لے اور تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی عقل کو ڈھال کی طرح استعمال کرے۔ تیرا نعرۂ اللہ اکبر، باطل کے لیے آگ کی تاثیر رکھے گا۔ تو اگر صحیح معنوں میں مسلمان بن جائے تو پھر تیری تدبیر ہی تیری تقدیر بن سکتی ہے۔ اگر تو نے میرے محبوب پیغمبر ﷺ کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا تو پھر یہ جہاں تو در کنار تجھے لوح و قلم کا مالک بنا دوں گا (ساری کائنات تیرے آگے سرنگوں بن جائے گی)۔

تشریح

اس آخری بند میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دنیا میں اسلام پھیلانے خلافت قائم کرنے اور کامیابی کے لیے اپنے عشق و عقل کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر مسلمانوں نے ایسا کیا تو خدا کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ انہیں

Marfat.com

ساری کائنات کی سرداری عطا کر دی جائے گی۔ خدا کا وہ وعدہ یہ ہے:

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

تم ہی دنیا میں اعلیٰ و غالب رہو گے اگر تم مومن رہے۔

کائنات کی سرداری حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں میں یہ خوبیاں ہونی چاہیے:

۱۔ عقل کا ڈھال کے طور پر استعمال۔

۲۔ عشق حقیقی۔

۳۔ عالمگیر خلافت کا قیام۔

۴۔ باطل کو مٹانے کا آتشیں جذبہ۔

۵۔ تدبیر کی عادت۔

۶۔ اطاعت خدا اور اطاعتِ رسول ﷺ۔

(اسی کا نام نبی کریم ﷺ سے وفاداری ہے)۔

اگر مسلمانوں کے اندر مندرجہ بالا صفات پیدا ہو جائیں تو پھر انہیں دنیا میں سب کچھ مل جائے گا۔ پھر جو کچھ وہ چاہیں گے وہی دنیا میں ہوگا اور کوئی قوت ان کے حکم سے سرتابی نہیں کرے گی۔ اس طرح وہ تقدیر یزداں بن جائیں گے۔

Marfat.com

مصنف کی دیگر کتب

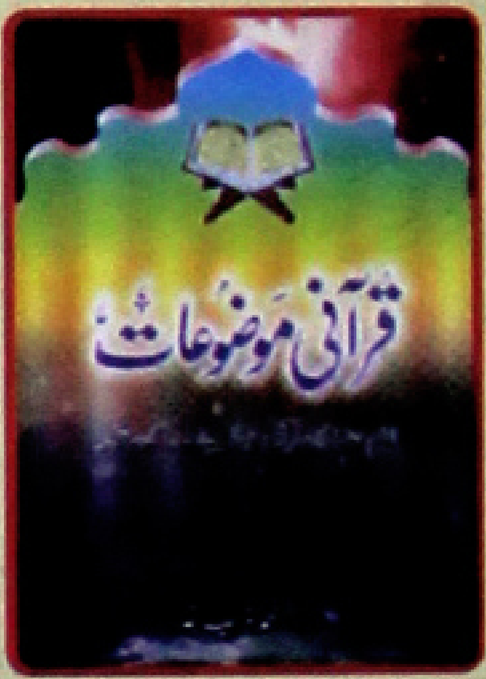

Rs. 400/-

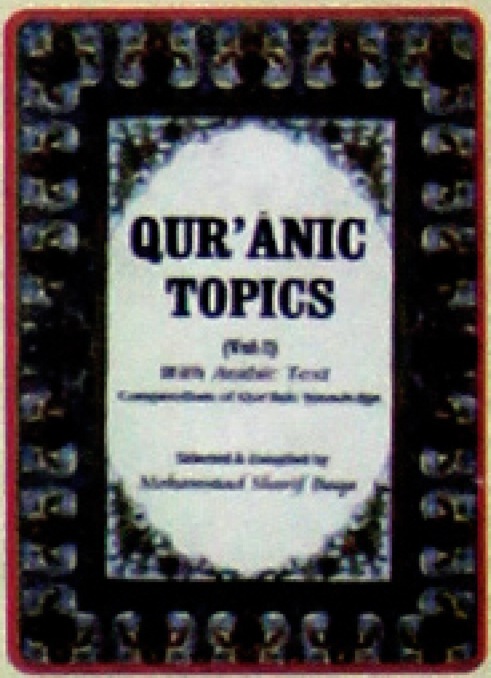

Rs. 500/-

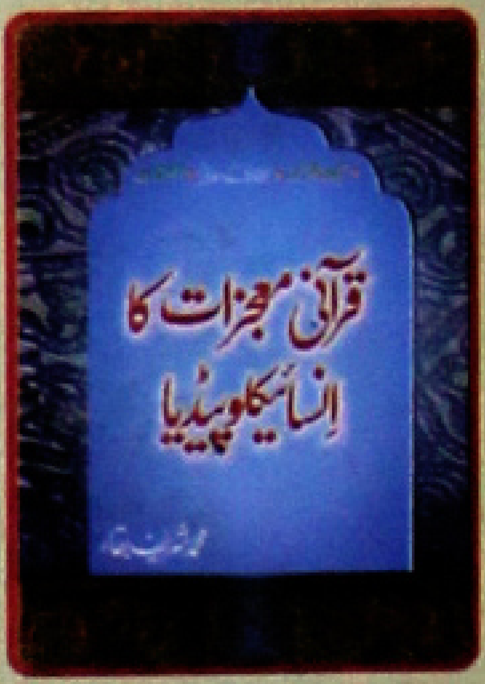

Rs. 100/-

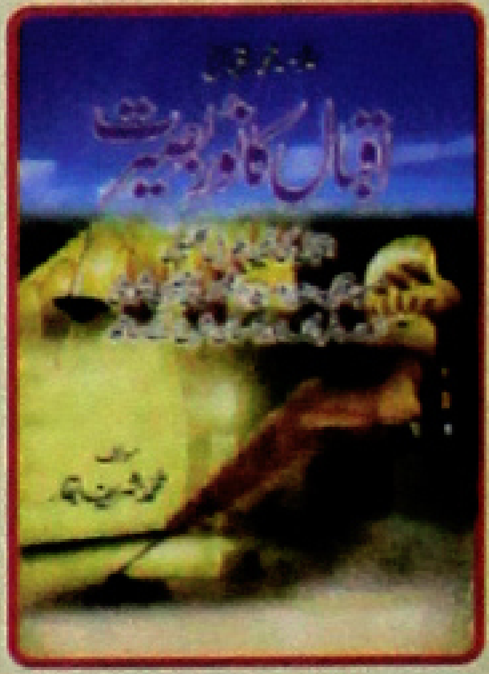

Rs. 180/-

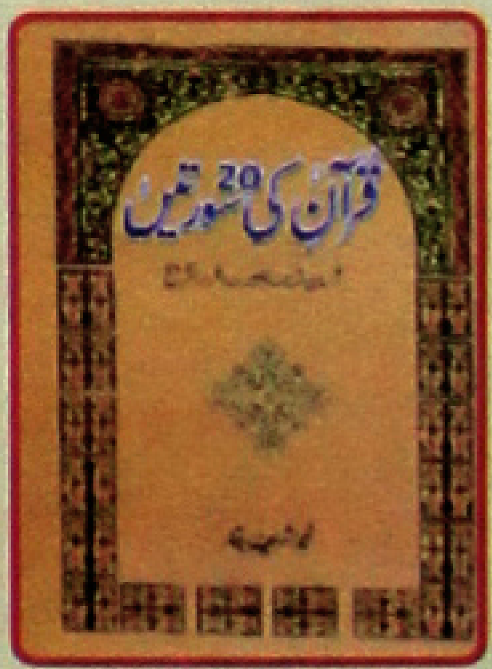

Rs. 70/-

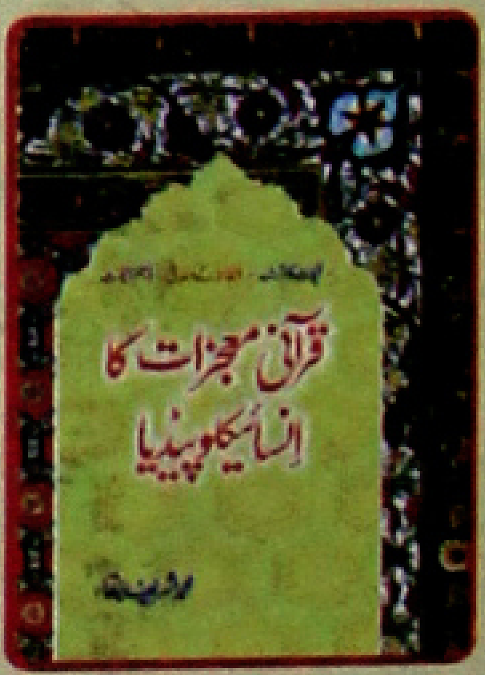

Rs. 100/-

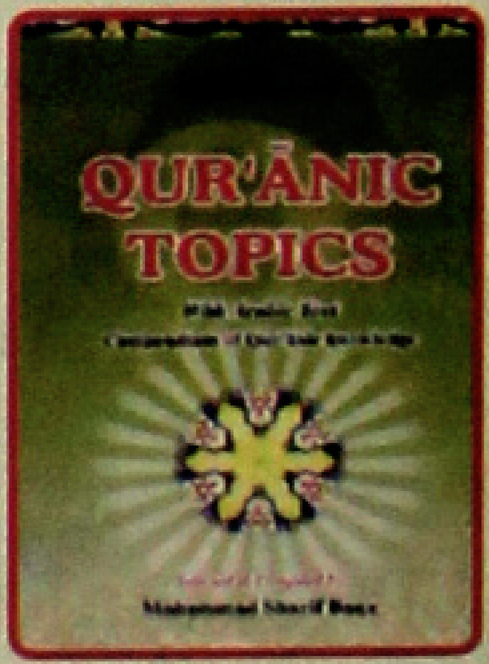

Rs. 500/-

علم و عرفان پبلشرز

34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7352332-7232336

E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com

Marfat.com